سچی محبت کرنے والوں کی ایک دلکش و طویل داستان

من مست ملنگ

سمیرا سرفراز

طویل مکمل ناول

Published in Kiran Digest August 2023

سمیرا سرفراز

من جست ملنگ

digest novels lovers group

ٹن ٹن ٹن کی تیز آواز پر وہ چاروں چوکنا ہو کر سیدھے ہو بیٹھے۔ گرلز کالج کا بھاری آہنی گیٹ وا ہو گیا تھا اور سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکیوں کا ایک جھنڈ سی سیلابی ریلے کی صورت بہتا باہر نکلنے لگا۔

شجاع سیدھا کھڑا ہو کر عقابی نگاہوں سے ہر گزرتی لڑکی کا چہرہ کھوجنے لگا۔ اس کے ساتھ کھڑا حمزہ فی سبیل اللہ اس کار خیر میں اس کا ساتھ دینے لگا۔ احمد نے تھوڑی دیر تو یہ تماشا برداشت کیا پھر تیز دھوپ اور سگریٹ کی طلب نے اسے مزید یاری نبا ہنے

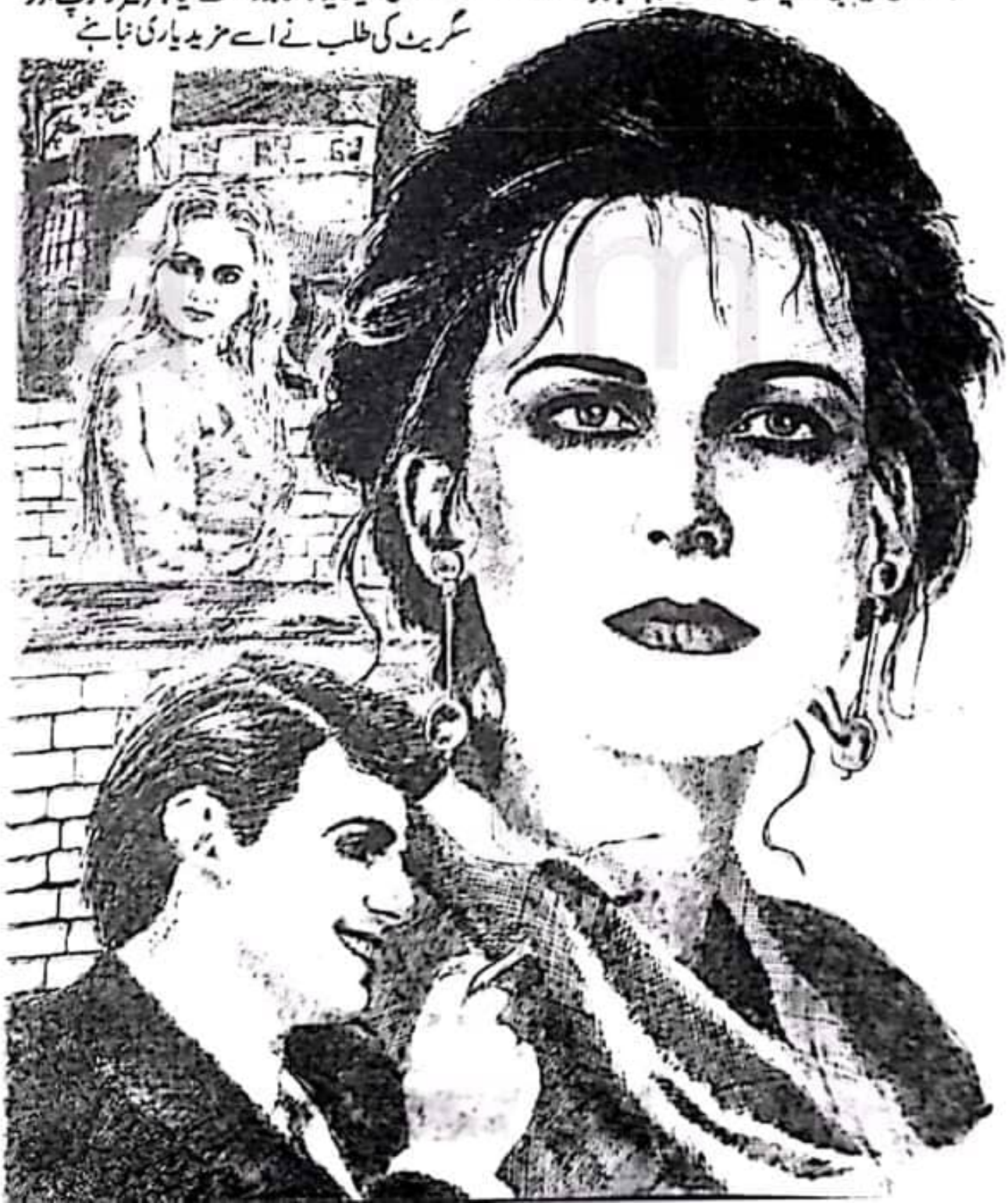

سے روک دیا اور وہ نظریں بچاتا قریبی پان کے کھوکے کی طرف نکل گیا۔

ان سے کچھ فاصلے پر گاڑی میں ان سب کا انتظار کرتا سجاول بڑے صبر سے شجاع کے اگلے قدم کا منتظر تھا۔ بالآخر شجاع کا انتظار رنگ لایا اور مہک گیٹ پار کرتی دکھائی دی۔ منصوبے کے مطابق مہک نے باہر آتے ہی محتاط انداز میں بائیں جانب کھڑی سفید مارگلہ کی سمت رخ کیا جس کے آگے شجاع اور حمزہ کھڑے تھے مگر دو قدم چلتے ہی اس کی نظر اپنے منگیتر علی پر پڑی جو عین شجاع کی گاڑی کے پیچھے والی گلی سے نکل کر اپنی بائیک پر جا رہا تھا۔ اس کا گھر اسی علاقے میں عقبی گلے میں تھا اور اس کا یہاں سے گزرنا ایک معمول ہی تھا مگر مہک اور شجاع اس وقت جس صورت حال کا شکار تھے ایسے میں علی کی آمد مہک کے حواس مختل کر گئی اور اس نے بے ساختہ اپنے ساتھ چلتی آبدار کا بازو پکڑ کر کھینچا جو اس سارے منظر میں نہ کہیں فٹ ہوتی تھی نہ ہی اس کا اس پورے معاملے سے کوئی تعلق تھا۔

ان دونوں کی قسمت خراب تھی کہ ہمیشہ بے نیازی سے گزر جانے والا علی آج مہک کو آتا دیکھ کر رک گیا تھا۔ آبدار اس افتاد پر بمشکل سنبھلتی ابھی مہک کو صلواتیں سنانے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ سامنے سے آتے علی کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ مہک اور اس کی اچھی دوستی تھی اور وہ اس کے منگیتر سے بھی شکل کی حد تک واقف تھی۔ اس نے مہک کو اک نظر دیکھا جو مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے علی کو دیکھنے لگی۔ علی قریب آچکا تھا۔ آبدار نے جھٹ اپنی نیلی چادر کا کونا چہرے

مکمل ناول

کے آگے کھینچا جو مہک کی جلد بازی کے سبب سرک گیا تھا۔

"السلام علیکم! خیریت کدھر جارہی ہو؟" علی نے مہک کو گھر کی مخالف سمت میں چلتا دیکھ کر سوال کیا تھا۔ مہک نے خود کو ہزار بار کوسا۔

آبدار اس بیچ نامحسوس طریقے سے کھسکنا چاہ رہی تھی مگر ایک بار پھر مہک کے شاطر دماغ نے کام کیا اور اس نے سرعت سے پرے کھسکتی آبدار کا بازو پھر جکڑ لیا۔

"یہ میری دوست ہے آبدار۔ اس کے بھائی کی شادی ہورہی ہے تو میں اس کے گھر جارہی ہوں بری کے جوڑے پیک کرنے۔ شام تک آجاؤں گی۔"

اس کے لمبے چوڑے جھوٹ پر آبدار کا جبڑا حیرت سے لٹک گیا۔

"اوہ اچھا۔ پھپھو کو بتادیا تھا؟"

"ہاں ظاہر ہے امی کو تو صبح بتا کر ہی نکلی تھی۔ تم کہیں کام سے جارہے تھے؟" مہک نے جلدی سے بات بنا کر اسے ٹالنا چاہا مگر وہ بھی ایک ہی ڈھیٹ تھا۔

"جاؤ گی کیسے؟"

مہک کا سوال یکسر نظر انداز کر کے اس نے اگلا سوال کیا اور ارد گرد نظر دوڑائی۔ شجاع اور حمزہ، علی کو دیکھ کر ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ احمد پہلے ہی غائب تھا صرف سجاول بیزار سا گاڑی میں ایک ہاتھ اسٹیرنگ وہیل پر ٹکائے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ان سب کے حساب سے یہ ایک ایکسٹرا سین تھا جو ان کے ترتیب کردہ اسکرپٹ میں نہیں تھا اور یہ نری وقت کی بربادی تھی۔ شجاع دور کھڑا مستقل مہک کو اشارے کررہا تھا کہ جلدی علی سے جان چھڑائے تاکہ اگلا قدم اٹھایا جاسکے۔ مہک خود شدید گھبراہٹ میں مبتلا تھی اور علی آج پوری فرصت سے آیا تھا۔ آبدار کو بس اسٹاپ پہنچنے کی جلدی تھی کیونکہ اسے اپنے دونوں چھوٹے بہن بھائی کے آنے سے پہلے گھر پہنچ کر روٹی پکانی ہوتی تھی اور کالج سے گھر تک جانے والی بس آدھے گھنٹے کے وقفے سے آتی تھی۔ اگر اب بس چھوٹ جاتی تو آدھا گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا اور مہک اس کی ہر مشکل جاننے کے باوجود پتا نہیں کیوں اس کا راستہ روکے کھڑی تھی اور اس علی سے آج اسے کون سی محبت جاگ اٹھی تھی جس کا ذکر بھی وہ ہمیشہ سرسری سا ہی کرتی تھی۔ اور یہ اس کا کون سا بھائی پیدا ہوگیا تھا جس کی آناً فاناً شادی بھی ہورہی تھی؟ آبدار اتنا تو سمجھ گئی تھی کہ مہک پھر گھر والوں سے چھپ کر کہیں سیر سپاٹے پر جانا چاہ رہی تھی مگر آج وہ اس کام کے لیے اس کے کندھے پر بندوق کیوں رکھ رہی تھی؟ یہ جاننا ابھی باقی تھا۔

"مہک پلیز! میری بس چھوٹ جائے گی۔"

اس نے جھکے چہرے کے ساتھ مہک کے کان میں سرگوشی کی۔

سجاول نے پہلی بار اس نیلی نقاب پوش لمبی سی لڑکی پر غور کیا جس کا بازو تاحال مہک کی گرفت میں تھا۔

"بس وہ آبدار کے بھائی بیٹھے ہیں گاڑی میں ان کے ساتھ ہی جائیں گے اور شام کو واپس بھی یہی چھوڑ دے گی مجھے۔"

مہک نے کہتے کے ساتھ ہی آبدار کے بازو پر گرفت سخت کرتے ہوئے قدم بڑھا دیے۔ اس کا رخ سفید مارکہ کی طرف تھا۔

"اوکے۔ اللہ حافظ۔"

مہک نے بھی اس کے جواب میں ہاتھ ہلایا اور گاڑی تک آگئی۔ اس کا ارادہ تھا کہ علی کے نکلتے ہی وہ آبدار کو خیرباد کہہ دے گی مگر علی ان کے گاڑی میں بیٹھ جانے تک بھی وہیں کھڑا رہا۔

"مہک! تم مجھے بتاؤ گی یہ سب کیوں کررہی ہو؟ اور مجھے کیوں بلی کا بکرا بنایا تم نے؟ کب سے میں تمہاری بکواس برداشت کررہی ہوں۔ تمہیں معلوم بھی ہے میری مجبوری پھر بھی مجھے بلاوجہ روک رکھا ہے تم نے!" علی سے دور آتے ہی آبدار پھٹ پڑی تھی۔

"پلیز آبی! کچھ دیر اور میرا ساتھ دے دو پھر میں تمہیں سب بتادوں گی اور گھر بھی خود چھوڑ دوں گی۔ پلیز، بس ابھی میری خاطر کار میں بیٹھ جاؤ تاکہ علی سے میری جان چھوٹے۔" مہک نے نہایت عاجزی سے اس کے غصے اور سوالات کا جواب دیا۔

اس کی نرمی پر آبدار نے اک نظر انہیں تکتے علی پر ڈالی اور چپ چاپ گاڑی میں آبیٹھی۔ مہک نے جلدی سے بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور سجاول نے تیز رفتاری سے علی کو کراس کرلیا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو مہک نے بھاری سانس خارج کی۔ شجاع حمزہ اور احمد باکس پر دوسرے راستے سے نکل کر ان کے پیچھے آچکے تھے۔

"اب پھونو کیا قیامت آگئی تھی؟" آبدار پھر بپھری۔

سجاول نے چونک کر یہ غصیلا لہجہ سماعت فرمایا۔ ابرو آپوں آپ اچک گئے تھے۔

"میں گھر سے بھاگ گئی ہوں۔" مہک نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہتے ہوئے آنکھیں موندیں اور سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

آبدار نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ وہ دونوں سجاول کی موجودگی سے بے نیاز اپنی ہی باتوں میں الجھے ہوئے تھیں۔

"آبی! منہ بند کرو ہونق لگ رہی ہو۔" مہک نے ایک آنکھ کھول کر اسے گھرکا۔ آبدار کو جیسے اچانک ہوش آیا۔

"تمہیں پتا ہے تم نے کیا بکواس کی ہے ابھی ابھی؟"

"دیکھو آبی! تحمل سے میری بات سنو۔ شجاع اور میں پچھلے دو سال سے ریلشن شپ میں ہیں مگر شجاع کی اور میری کاسٹ الگ ہے اس لیے ہماری فیملیز نہیں مان رہی تھیں اور ابو نے میری مرضی کے خلاف علی سے میری منگنی کردی۔ فائنل ایگزمز کے بعد میری شادی فکس ہوگئی ہے تم جانتی ہو۔ پھر ظاہر ہے مجھے کوئی اسٹیپ تو اٹھانا تھا نا۔"

کتنی آرام سے وہ اس پر وہ وہ انکشافات کر رہی تھی جو ان دو سالوں میں آبدار کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے۔ ایک ایک کرکے ہر وہ دن یاد آنے لگا جب وہ شاپنگ آؤٹنگ کا بہانہ کرکے چھٹی کے وقت کسی اور راستے سے نکل جاتی تھی اور آبدار اسے کھاتے پیتے گھر کی لڑکی کی عیاشی سمجھ کر نظر انداز کردیتی تھی۔ اس جیسی غریب اور مشکلات میں گھری من ماں کی لڑکی کو کیا پتا تھا کہ دنیا کتنا آگے جاچکی تھی۔

وہ سر پکڑے اپنی بے خبری پر صدمے اور حیرت کی ملی جلی کیفیات کا شکار تھی کہ اچانک گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو آبدار بھی جیسے حال میں لوٹی۔ اس نے چونک کر ارد گرد دیکھا۔ گاڑی ایک انجان سنسان جگہ پر رک چکی تھی اور اس کے دائیں بائیں دو باکس کھڑی تھیں۔ کل ملا کر چار انجان لڑکے ان کے ارد گرد تھے اور وہ دونوں اکیلی لڑکیاں۔ مہک بالکل مطمئن بیٹھی تھی کیونکہ یہ سب اس کی مرضی سے ہو رہا تھا جبکہ آبدار کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔ اس نے وقت دیکھا تو اس کے مقررہ ٹائم سے آدھا گھنٹہ اوپر ہو چکا تھا۔ فری اور بلال اسکول سے آچکے ہوں گے اور ابا بھی دوپہر کے کھانے کے لیے تھوڑی دیر دکان بند کرآئے ہوں گے۔ اور اسی جوڑ توڑ میں اسے بہت اچانک احساس ہوا کہ وہ یہاں کیوں تھی؟

"مہک! تم نے مجھے ان سب میں کیوں استعمال کیا؟ مجھے گھر جانا ہے!" وہ چیخ کر بولی تھی۔

مہک کی طرف کا دروازہ کھولتا شجاع ٹھٹک کر رکا۔ سجاول پہلے ہی گاڑی سے نکل کر چھت سے کہنی ٹکائے اس کہانی کے آخری سین کا منتظر تھا تاکہ اس کے بعد وہ گاؤں جانے والی بس پر سوار ہو اور سکون سے کچھ دن اپنوں کی چھاؤں میں گزارے۔

"یہ کون ہے مہک؟"

شجاع نے بے حد حیرت سے نیلی چادر میں چہرہ چھپائے بیٹھی لڑکی کو اچنبھے سے دیکھا جس کا یہاں کوئی رول نہیں تھا۔ پلان کے مطابق صرف مہک کو

سجاول کے ساتھ آنا تھا۔

"یہ آبدار ہے، میری دوست۔ علی کو شک نہ ہو اس لیے اسے ساتھ بٹھالیا تھا۔" مہک نے خجل ہو کر کہنا شروع کیا ہی تھا کہ۔

"اور اب..... اب ہمیں یہاں سے بھاگنا ہے مہک تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ یہ اب کہاں جائے گی یہاں سے؟" شجاع خلاف عادت چیخ اٹھا۔ مہک کے ساتھ ساتھ آبدار بھی اچھل کر پیچھے ہٹی۔

"ریلیکس شجاع! اسے اس کے گھر چھوڑ دیں گے۔ اتنا ہائپر کیوں ہو رہے ہو تم؟ اس وقت وہاں سے نکلنے کے لیے یہ کرنا ضروری تھا۔" مہک نے گویا اس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"مہک! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ ہم گھر سے بھاگ رہے ہیں۔ علی نے تمہیں آخری بار اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔ تمہاری غیر موجودگی میں وہ تمہاری فیملی کو لے کر سب سے پہلے اسی کے گھر جائے گا۔ تم اسے کس مشکل میں ڈال چکی ہو تمہیں اندازہ ہے؟" شجاع پہلے سے زیادہ چیخ کر بولا تھا۔ یہ غیر متوقع صورت حال اس کے حواس سلب کر رہی تھی۔

"تو کیا کرتا وہاں جب یہ اس لڑکی کو لے کر آئی؟" اس کی توپوں کا رخ اب لاتعلق کھڑے سجاول کی طرف ہو گیا تھا۔ سجاول نے اس طرز تخاطب پر تیوری چڑھا کر اسے گھورا۔

"سوری! میں وہاں صرف ان کا ڈرائیور تھا۔ باقی تم جانو تمہاری میڈم جانے۔" اس نے اپنی ازلی بے نیازی اور اکھڑ پن سے جواب دے کر رخ پھیر لیا۔

شجاع ضبط کر کے رہ گیا کہ بہرحال وہ اس وقت یہاں تک بھی صرف اسی کی وجہ سے پہنچ سکے تھے اور آگے بھی صرف اسی کی صورت سے علی واقف ہوا تھا۔ شجاع، حمزہ، احمد کسی تک بھی اس کی رسائی نہیں ہو سکی تھی۔ یہ اس کا احسان ہی تھا مگر اب یہ لڑکی ایک آفت ناگہانی تھی جس کا کوئی نہ کوئی پکا بندوبست اسے کرنا تھا ورنہ اس شہر میں وہ واحد گواہ تھی جو ان کو بھاگتے دیکھ چکی تھی اور جس کے ذریعے مہک کے گھر والے ان دونوں تک پہنچ سکتے تھے۔ اس سنسان راستے سے تھوڑا آگے احمد کا ایک دوست نیشنل ہائی وے اتھارٹی میں ملازمت کی وجہ سے رہائش پذیر تھا جسکے گھر شجاع اور مہک کے نکاح کا انتظام ہو چکا تھا۔ نکاح کے فوراً بعد وہی دوست ان دونوں کو اندرون پنجاب کی کسی بھی بس میں سوار کرا دیتا جس کے بعد وہ تینوں بھی الگ ہو جاتے۔ ان سب کی فائنل ایگزمز کے بعد تعطیلات ہو چکی تھیں اور اب سب اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے یعنی لمبے عرصے کے لیے کوئی ملاقات کا امکان نہیں تھا۔ یہ ایک فل پروف پلان تھا جس میں مہک نے آبدار کو انوالو کر ایک نئی مشکل پیدا کر دی تھی۔ وقت ہاتھوں سے پھسل رہا تھا اور ساری کارروائی تعطل کا شکار ہو گئی تھی۔ حمزہ اور احمد خاموش کھڑے شجاع اور مہک کی نوک جھوک دیکھ رہے تھے۔ حمزہ کو بھی سجاول کی طرح اپنے شہر کی بس پکڑنی تھی صرف احمد اسی شہر کا باسی تھا جسے سب کو الوداع کہہ کر سجاول کی گاڑی اپنے گھر لے کر جانی تھی۔

"بجی! کچھ بول میں کیا کروں اب؟"

مہک سے جواب نہ پا کر شجاع نے پھر سجاول سے رجوع کیا۔ آبدار صورت حال کی سنگینی سمجھ کر اب صرف سر پکڑے آنسو بہا رہی تھی۔ سجاول کی بے نیازی کچھ دیر سوچ بچار میں بدلی۔ اک نظر مہک کے اضطراب اور چادر میں چھپے سسکتے آبدار کے وجود پر ڈالی۔ اپنے اندر اٹھتی بیزاری پر بمشکل قابو پایا۔

"کیا کہانی سنائی تھی آپ نے اپنے منگیتر کو؟" مغرور بادامی آنکھیں صرف اک لمحے کے لیے مہک کے سر پر ٹکا کر سوال کیا۔ جواباً مہک نے ساری کہانی کہہ سنائی۔

"مطلب یہ خاتون کسی معاملے سے باخبر نہیں تھیں؟" اس نے ساری کتھا سن کر ابرو سے آبدار کی سمت اشارہ کیا۔ انداز میں اتنی حقارت تھی کہ آبدار رونا بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ "ویسے حیرت

ہے ایسے معاملات میں تو سہیلیاں سب سے بڑا آلہ کار ہوتی ہیں۔"

آبدار کو اس کا طنز بری طرح چبھا۔

"جی جیسے آپ آلہ کار ہیں اپنے دوست کے۔" پھٹ سے جواب دیتی وہ ان سب کو چونکا گئی۔

سجاول استہزائیہ مسکرایا۔ یہ تو وہی جانتا تھا کہ کیوں آج وہ ایک ایسے کام میں شجاع کا ساتھ دے رہا تھا جسے وہ دل سے ناپسند کرتا تھا۔

"بہر حال بہت ہوا اب۔ میرا اس معاملے سے کوئی لینا دینا نہیں اور تم مہک..... مجھے افسوس ہے تم جیسی لڑکی سے میں نے دوستی کی جو بڑے اطمینان سے اپنے ماں باپ کی پگڑی اچھال کر اپنی دنیا آباد کرنے جا رہی ہے۔ مجھے میرے گھر چھڑوا دو فوراً۔" سجاول کی گفتگو نے اسے اچانک جلتے توے پر بٹھا دیا تھا۔ مہک اور شجاع اس کھلی بے عزتی پر نظریں چرا کر رہ گئے۔

"دیکھیے مس؟" شجاع اس کا نام بھول گیا تھا۔

"آبدار سبحانی!" اپنا نام بتاتے اس کے لہجے میں محسوس کن اکڑ تھی۔

سجاول نے دلچسپی سے ان گھور سیاہ آنکھوں کی چمک ملاحظہ کی۔

"جی مس آبدار دیکھیے۔ ہم کوئی خراب لوگ نہیں ہیں۔ آپ کی طرح ہماری بھی فیملی ہے۔ ہم مجبوری میں گھر سے بھاگے ہیں اور کچھ وقت بعد واپس آ کر اپنی فیملی کو منا بھی لیں گے اس لیے....."

"میں نے کہا نا مجھے اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں پلیز، مجھے میرے گھر چھوڑ دیں میرے ابا انتظار کر رہے ہوں گے۔" آبدار بات کاٹ کر قطعیت سے بولی۔

"بات یہ ہے کہ ہم اب اتنا دور آ کر واپس نہیں جا سکتے کیونکہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ ہمارے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے جس میں ہمیں سب نمٹا کر واپس بھی جانا ہے۔ کم از کم یہاں تک آ کر میں محض آپ کے لیے ان دونوں کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔ جب تک یہ دونوں نکاح کر کے بس میں سوار نہیں ہو جاتے آپ ہمارے ساتھ رہیں گی اور اس کے بعد میں آپ کو واپس چھوڑ دوں گا۔"

سجاول نے دو ٹوک انداز میں صاف صاف آبدار کو باور کروا دیا کہ اس کی یہاں کسی کو ذرہ برابر پروا نہیں۔

"تم کچھ نہیں کہو گی مہک؟ تمہاری وجہ سے میں ان سب میں پھنسی ہوں؟"

نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ اس کے لبوں سے پھسل گیا۔ مہک نے نظر اٹھا کر اس کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھا۔ اس نے نقاب سرکا دیا تھا کیونکہ وہ چاروں ذرا آگے جا کھڑے ہوئے تھے۔

"دیکھو آبی! زندگی میں کچھ پانے کے لیے تھوڑا خود غرض ہونا پڑتا ہے۔ میں تمہیں اس میں انوالو نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ مجھے پتا ہے تم ایسی نہیں ہو جب ہی آج تک تم سے یہ سب شیئر نہیں کیا۔ مگر اب اگر اتفاق سے تم اس میں شامل ہو ہی گئی ہو تو پلیز، میری اتنے دنوں کی محنت برباد نہ کروا اور ویسے بھی سجاول بھائی نے کہا ہے نا کہ وہ تمہیں واپس چھوڑ دیں گے۔"

وہ اپنی کہہ کر دوبارہ اپنا سامان ٹٹولنے لگی اور آبدار کو اپنا آپ گہری کھائی میں گرتا محسوس ہونے لگا جس میں اسے ان سب نے مل کر دھکا دیا تھا۔

☆☆☆

نیشنل ہائی وے کی ذیلی سڑک سے متصل اس قطعی انجان علاقے میں ایک طرف بنے این ایچ اے کوارٹرز میں سے ایک میں وہ سب اس وقت موجود تھے۔ شجاع ان دونوں کو اندر ایک کمرے میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا تھا۔ آبدار اپنی منتشر سوچوں سے الجھتی کرسی پر خمس انداز سے بیٹھی تھی۔ مہک ابھی ابھی واش روم سے کپڑے بدل کر نکلی تھی۔ نکاح کی مناسبت سے ہلکے گلابی رنگ کا شلوار قمیص جس پر سلور نازک سی بیل کا ڈیزائن تھا اور کانوں میں چھوٹی

سلور جھمکیاں پہن کر اب وہ لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر دور دور تک صرف اطمینان تھا۔ اس کے اس قدم کے بعد جو آگ اس کے میکے کو جلانے والی تھی اسے اس کی ذرہ برابر پروا نہیں تھی۔ وہ اس وقت بس اپنے مستقبل کے خوابوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے اطمینان نے آبدار کی سوچوں کا دھارا تبدیل کر دیا۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں اسے منہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ چند لمحوں بعد شجاع نکاح خواں کے ساتھ نازل ہو گیا۔ وہ ایک طرف بیٹھی ساری کارروائی دیکھتی رہی۔

اسی کمرے کے اک دوسرے کونے پر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا سجاول اس کی سوچ میں ڈوبی کیفیت بہت غور سے نوٹ کر رہا تھا۔ اسے بھی سوائے شجاع کی مدد کا بدلہ اتارنے کے اور کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی۔ آبدار کا نقاب اس وقت اس کے چہرے سے ذرا سا کھسک گیا تھا کیونکہ اپنی سوچوں میں غرق وہ اس وقت اس جگہ ذہنی طور پر موجود تھی ہی نہیں۔ سجاول نے پہلی بار ان سیاہ آنکھوں کے نیچے جھلکتے گلابی عارضوں کا ابھار دیکھا۔ وہ چہرہ آپ اپنی گواہی تھا۔ اسے ایک پل لگا تھا اس کی شرافت تسلیم کرنے میں۔ سرخ لبوں کو بے دردی سے کچلتی وہ بالکل بے خبر تھی کہ اس کا چہرہ مکمل طور پر عیاں ہو چکا ہے۔ سجاول کو نجانے کیوں بھایا نہیں کہ اس پردہ نشیں کی جھلک اس کمرے میں موجود اور کسی بھی مرد کو نظر آئے۔ بے ارادہ وہ بہت زور سے کھنکارا۔ آبدار ہڑبڑا کر چونکی اور وہ ماہ رو پھر پردہ پوش ہوئی۔ سجاول نے سانس بھر کر نگاہ پھیر لی۔

☆☆☆

"ابا! آپی کہاں ہیں؟؟"

فری پورے گھر میں اسے چھان مارنے کے بعد بلآخر تھک کر ابا کے انتظار میں دروازے کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی۔ بلال اس سے چھوٹا تھا۔ اسے یوں بھی اسکول سے آ کر بھوک سے زیادہ نیند کی بڑی ہوتی تھی۔ آبدار اسے زبردستی جگا کر تھوڑا کھانا کھلا دیتی تھی ورنہ وہ گھر آتے ہی کپڑے بدل کر بس سو جانا چاہتا تھا۔ وہ آٹھ سال کا تھا مگر سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ اور بھی چھوٹا بنا رہتا۔ پانچ سال پہلے امی کی وفات کے وقت وہ محض تین سال کا تھا۔ آبدار خود اسکول کے آخری سال میں تھی۔ اس سے بڑی عدن نے انٹر کے امتحانات دیے تھے مگر ماں کی وفات نے اسے یکلخت بڑا کر دیا تھا۔ بلال کو اس نے ماں بن کر پالا تھا اسی لیے وہ آپی سے زیادہ عدن کے قریب تھا مگر اس کی شادی کے بعد آپی نے اسے بہت اچھی طرح بہلا لیا تھا۔ فری اور آبدار درمیان میں تھیں۔

فری ابھی آٹھویں جماعت میں تھی اس لیے بلال کی نسبت سمجھدار تھی مگر آپی نے فی الحال اسے گھر کی ذمہ داریوں سے دور رکھا ہوا تھا لہٰذا وہ بھی اپنی ضرورتوں کے لیے آپی پر ہی انحصار کرتی تھی۔ آبدار بھی ہمیشہ کوشش یہی کرتی کہ ان دونوں کے آنے سے پہلے گھر پہنچ جائے اور ان کے آنے تک ان کے کپڑے کھانا تیار رکھے۔ مگر آج پہلی بار ہوا تھا کہ ان دونوں کو آئے ہوئے اتنی دیر ہو گئی تھی اور آپی گھر نہیں پہنچی تھی۔ بلال ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گیا تھا۔ اب فری اکیلی ابا کے آنے کی منتظر دروازے کے چکر کاٹ رہی تھی۔ آخر کار ابا نے دہلیز پار کی تو فری بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

"کیا مطلب ..... آبدار گھر نہیں پہنچی اب تک؟" ابا فطری طور پر گھبرا گئے۔ "تم لوگوں نے کھانا کھایا؟" ابا کو پہلا خیال ان دونوں کی بھوک کا آیا۔

فری کا سر بے ساختہ نفی میں ہل گیا۔

"تم جاؤ سالن نکالو میں روٹی لے کر آتا ہوں۔ ابا انہی قدموں سے واپس لوٹ گئے۔ دل پریشان ہوا تھا۔

آخر آپی آئی کیوں نہیں اب تک۔ تندور پر کھڑے ہو کر وہ اندازے لگانے لگے کہ اگر اسے وقت پر بس نہیں ملی ہو گی تو آدھے گھنٹے کے وقفے

سے وہ اب لتنے بجے تک گھر پہنچے گی۔ بچوں کو کھانا دے کر وہ واپس گھر سے باہر آ گئے۔ محلہ پرانا تھا سو گھر کی طرف سے انہیں کوئی فکر نہیں تھی۔ برابر والی رشیدہ آپا کو بچوں کا بتا کر وہ خود بس اسٹاپ پر آ گئے مگر ایک گھنٹہ انتظار کے بعد بھی آبی کسی بس سے نہ اتری۔ تھک کر وہ اس کے کالج گئے جہاں تالا لگا تھا اور باہر بیٹھے چوکیدار نے یہی بتایا کہ ساری لڑکیاں وقت پر چلی گئی تھیں۔ ابا کو اب سچ مچ فکر ستانے لگی تھی۔ آبی کی کوئی خاص دوستیں بھی نہیں تھیں جن کے وہ گھر جاتے اور نہ آبی نے کبھی ایسی دوستی پالی تھی جس میں وہ بتا بتائے کسی کے گھر چلی جاتی۔

گھر پہنچے تو دو ایک محلے دار مل گئے اور ابا نے اپنی پریشانی میں ان سے آبی کی گم شدگی کا ذکر کر دیا۔ شام ڈھلنے لگی تھی۔ شروع میں جو دو ایک لوگ ابا کی مدد کے خیال سے آئے تھے اب ان کے ذریعے پورے محلے میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ طلعت سبحانی کی جوان بیٹی گھر سے غائب ہے بلکہ کالج سے واپس گھر آئی ہی نہیں۔ مغرب تک ابا کو ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو چکا تھا کہ ان پر کیا قیامت بیت گئی ہے۔ لوگوں نے ان کا دروازہ بجا بجا کر انہیں عاجز کر دیا تھا۔ وہ شدید پریشان تھے۔ عدن دوسرے شہر میں بیاہی تھی اور اچھا تھا کہ وہ دور ہی تھی ورنہ یہ خبر اس تک بھی پہنچ جاتی تھی اور یقیناً اسے بھی اپنے سسرال میں اس وجہ سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ برابر والی رشیدہ آپا کے میاں ابا کے اچھے اور مخلص واقف کار تھے۔ ان کے ساتھ جا کر ابا شہر کے سب سرکاری اسپتالوں میں بھی پوچھ آئے تھے مگر آبی کو گویا زمین نگل گئی تھی۔ فری اور بلال کو رات کا کھانا دے کر ابا نے تھک کر گھر کے کواڑ بند کیے اور اندر کمرے میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان کی آبی غلط لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تھی۔

وہ جاہل آدمی نہ تھے کہ اپنی باکردار بیٹی پر شک کرتے۔ وہ تو حالات انہیں اس مقام پر لے آئے تھے کہ آج وہ اس معمولی جگہ پر ایک گمنامی اور غربت کی زندگی گزار رہے تھے ورنہ وہ کب بھولے تھے زندگی کا وہ سنہرا دور جب طارق روڈ کی مین مارکیٹ میں ان کی کپڑے کی لگاتار چار دکانیں ایک ساتھ کھلی ہوئی تھیں۔ وہ دنوں میں لاکھوں کماتے تھے۔ پی ای سی ایچ ایس میں بڑا خوب صورت بنگلا تھا ان کا جہاں ان کی پیاری بیٹیاں عدن اور آبدار شہزادیوں کی طرح رہتی تھیں۔ ان کی نیک فطرت بیوی رابعہ اس گھر کی ملکہ تھی اور وہ خود کسی بادشاہ کی طرح بس حکم چلاتے تھے۔ درجن بھر ملازم گھر اور دکانوں پر تعینات تھے۔ کیسے سنہرے دن تھے جب تک ان کی زندگی میں شوکت مرزا نہ لوٹے تھے۔ ان کے کالج کے دنوں کے ساتھی جو عرصہ دراز کے بعد اچانک ان سے ایک دن مارکیٹ میں ہی ٹکرا گئے تھے۔ پھر یہ ملاقاتیں باقاعدہ تعلقات میں بدل گئیں۔ گھر تک میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ ان کے بیوی بچے بیرون ملک رہتے تھے اور وہ خود بقول ان کے بزنس کی وجہ سے پاکستان میں تھے اور آتے جاتے رہتے تھے۔ انہوں نے ابا کو بتایا تھا کہ انہوں نے پاکستان میں کئی جگہوں پر سرمایہ کاری کر رکھی ہے جس سے انہیں بہت اچھا منافع حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے ابا کو آفر کی کہ وہ کب تک اسی کپڑے کے کام میں پھنسے رہیں گے۔ آگے ان کے اور بھی بچے ہو جاتے تو ان کے اخراجات بھی بڑھ جانے تھے اور پھر بیٹیوں کی تعلیم اور شادی بیاہ۔ ہر چیز کے لیے پیسا چاہیے تھا۔ انہوں نے ابا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے چلتے ہوئے کاروبار سے کچھ پیسہ نکال کر ان کے ساتھ شراکت داری میں کسی دوسرے شہر میں سرمایہ کاری میں لگا دیں جس سے ان کو دگنا منافع حاصل ہو گا اور وہ وہاں بھی اپنے کاروبار کو پھیلا سکیں گے۔ ابا کو ان دنوں شاید ان کے سوا کسی کی صحبت میسر نہیں تھی لہذا ان کا مشورہ ابا کے دل کو لگا اور انہوں نے امی کے آگے اس کا ذکر کر دیا۔ امی سیدھی سادھی گھریلو شوہر پرست سی عورت تھیں۔ انہوں نے اس معاملے میں کندھے اچکا دیے اور ابا پر سارا معاملہ چھوڑ دیا۔

ابا نے شوکت مرزا پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے ایک خطیر رقم اپنی سیونگ میں سے نکال کر ان کے حوالے کردی جسے لے کر شوکت مرزا لاہور روانہ ہوگئے۔ چند ہفتوں بعد وہ لوٹے تو بیس ہزار روپے منافع کے نام پر ابا کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ ابا کو مہینے سے پہلے منافع ملنا کوئی ایسا گھاٹے کا سودا بھی نہ لگا اگر اسی حساب سے انہیں ہر تین ہفتے بعد رقم ملتی رہتی تو کیا برا تھا جبکہ اصل رقم بھی محفوظ تھی۔ ابا مطمئن ہوگئے۔ ان کی دکانیں خوب چلتی تھیں لہٰذا ادھاری کے مال پر بھی انہوں نے لین داروں کی رقم نہ روکی تھی۔ لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے۔ مارکیٹ میں ان کی اچھی ساکھ تھی۔ یہ سلسلہ جاری تھا جب ایک دن دکان پر ہی شوکت مرزا نے انہیں مشورہ دیا کہ آج کل سلے سلائے ملبوسات کی بہت مانگ ہے اور لوگ اپنے شادی بیاہ کے ملبوسات کے لیے بوتیک کا رخ کرتے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی بوتیک کا کام شروع کریں اور اپنی ایک دکان کو بوتیک کی شکل دے دیں۔ مارکیٹ سے اچھے کاریگر اٹھا کر اجرت پر ان سے کام کروائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ بہت اچھے ڈیزائنرز کو جانتے ہیں جو یہ کام کرتے ہیں۔ لہٰذا ابا نے ایک بار پھر ان پر اعتماد کیا اور یہ ذمہ داری بھی انہیں سونپ دی۔ بوتیک کا کام کوئی ایسا آسان نہ تھا ابا کو اپنے پاس سے پیسا لگانا پڑا۔ مگر شوکت مرزا ایسے کائیاں آدمی تھے کہ انہیں سامنے والے کو رام کرنا آتا تھا۔ ابا ان کے مشوروں کو ان کی مخلصی ہی سمجھتے تھے۔ بوتیک کا کام بدقسمتی سے انہیں راس نہ آیا۔ تین مہینے اس کاروبار نے صرف ان کا پیسا کھایا اور آخر کار جب بات ابا کی بچت سے نکل کر کاروبار تک آئی تو ابا نے شدید گھاٹا برداشت کرتے ہوئے اس بوتیک کو بند کردیا۔ نہ صرف بوتیک بند ہوا بلکہ ابا کو ادائیوں کی خاطر وہ دکان تک بیچنی پڑی۔ اب ایک طرف باقی موجود دکانیں تھیں اور دوسری طرف وہ پیسا تھا جو ابا شوکت مرزا کو دوسرے شہر سرمایہ کاری کی غرض سے دے چکے تھے۔

پھر ایک دن ٹی وی پر خبر آئی کہ لاہور کی پرانی مارکیٹ میں آگ لگ گئی۔ شوکت نے ان کو یہی بتایا تھا کہ ان کے پیسے سے جو خام مال کا کام شروع کیا تھا وہ اسی مارکیٹ میں ہوتا تھا۔ شوکت نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ابا کے آگے آکر رونے لگے کہ ان دونوں کا مشترکہ سرمایہ آگ کی نظر ہوگیا۔

امی برملا کہتی تھیں کہ شوکت مرزا ایک شیطان تھے جو ابا کو بہکانے کے لیے آئے تھے اور صحیح معنوں میں وہ ابا کی آزمائش بن کر آئے تھے اور ابا اس آزمائش میں پورے نہیں اتر سکے تھے۔ ان دو بڑے دھچکوں کے بعد ابا کو تیسرا دھچکا اس وقت لگا جب اچانک ایک دن ان کی دکان میں دن دہاڑے ڈکیتی کی ایک بڑی واردات ہوگئی۔ یہ ایک سوچا سمجھا پلان تھا۔ ابا کو اس دن کپڑا مارکیٹ جانا تھا۔ ان کی غیر موجودگی میں ڈکیت آئے اور نہ صرف پیسہ بلکہ دکان میں موجود مال بھی چوری کرکے لے گئے۔ واپسی پر بربادی ابا کی منتظر تھی۔ ان کی دونوں موجودہ دکانیں خالی پڑی تھیں جس میں سے کثیر سرمایہ ختم ہو چکا تھا۔ لاکھوں کا مال غائب ہو چکا تھا ابا قلاش ہوگئے تھے۔ پھر مشکلات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا دکانوں میں موجود مال ادھاری کا تھا۔ ان ادھاریوں کو پورا کرنے کے لیے دونوں دکانیں بیچنی پڑیں۔ ملازموں کے اور قرض داروں کے واجبات ادا کرنے کے چکر میں ان کا گھر بھی گیا اور وہ دوبارہ زندگی شروع کرنے کے لیے اس چھوٹے محلے میں اٹھ کر آگئے۔ اس بیچ فری اور بلال بھی پیدا ہوگئے تھے عدن اور آبدار جوانی کی حدود کو چھو رہی تھیں۔ ابا نے اپنے بچے کچے پیسے سے ایک چھوٹی سی کریانے کی دکان کھول لی اور پھر وہی ان کا ذریعہ معاش بن گئی۔ امی نے کبھی ابا کو کسی بات کا طعنہ نہ دیا کہ یہ وہی شخص تھا کہ جس نے انہیں اپنے دور میں شہزادی بنا کر رکھا تھا۔

شوکت مرزا اس پورے معاملے میں گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوگئے۔ اس

زمانے میں موبائل نہیں ہوتا تھا۔ ابا کے پاس ان سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وقت کے ساتھ ابا کو یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت شوکت مرزا نے ان سے کس طرح رفتہ رفتہ ان کا سارا پیسہ چھین لیا تھا اور یہ فریکیتی بھی یقیناً ان ہی کی طرف سے کی گئی تھی۔ وہ پھر کبھی نہیں لوٹے۔ ان پر اعتماد کرنا ابا کی زندگی کی سنگین ترین غلطی تھی جس کا اظہار وہ آج تک کرتے تھے۔

عدن اور آبدار اس زمانے کو یاد کرتیں تو ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتیں۔ فری اور بلال نے اسی غربت میں آنکھ کھولی تھی لہٰذا ان کے لیے ابا کی یہ کہانی کسی فیری ٹیل سے کم نہ تھی۔ امی بلال کی پیدائش کے بعد سے بیمار رہنے لگی تھیں۔ آخری دنوں میں انہوں نے بہت ہی تنگ دستی میں گزارہ کیا اور اسی غربت میں بیماری سے لڑتے لڑتے اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ابا کی زندگی میں اب بس بچھتاوے تھے اور یہ چار بچے جن کو انہیں ماں اور باپ دونوں بن کر پالنا تھا۔

عدن کی شادی انہوں نے رشتے والی کے ذریعے ایک اچھے خاندان میں کر دی تھی۔ اس کی تعلیم مکمل ہونے کا بھی انہوں نے انتظار نہ کیا۔ آبدار البتہ اب کالج کے آخری سال میں تھی اور جلد اس کے سالانہ امتحان ہونے والے تھے جس کے بعد ان کا ارادہ اسے بھی رخصت کرنے کا تھا مگر اب جو یہ ناگہانی ان پر ٹوٹ پڑی تھی۔ وہ کہاں جائیں۔ کس سے کہیں۔؟

محلے والے پولیس میں رپورٹ کا مشورہ دے گئے تھے۔ مگر وہ ابھی اللہ سے ناامید نہیں ہوئے تھے۔

"یا اللہ! ابھی اور کتنی آزمائش باقی ہے میری۔"

اچانک گھر کا دروازہ بڑی زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔ ابا ہزار وسوسے دل میں لیے اٹھے اور دروازہ کھول دیا۔

☆☆☆

نکاح ساتھ خیریت ہو گیا تھا۔ احمد کے دوست نے ان سب کو کولڈ ڈرنک پلائی اور ایک ایک پیک لنچ باکس ان کے حوالے کیا۔ ایک تیار سفری بیگ شجاع نے کندھے پر لٹکایا اور سب سے گلے ملتا ہوا گاڑی میں جا بیٹھا۔ مہک نے شاید زندگی میں پہلی بار چادر اوڑھی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے آبی کی دیکھا دیکھی چہرے پر نقاب کیا اور اپنے سفر پر روانہ ہوئی۔

"مجھے معاف کر دینا آبدار۔ محبت بہت خود غرض ہوتی ہے۔ امید ہے تم سمجھ گئی ہو گی۔" جاتے جاتے رک کر اس نے آبدار کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

آبی نے تیزی سے آنکھ میں ابھرتی نمی کو پیچھے دھکیل کر نگاہ بدلی۔

ان دونوں کو بس میں سوار کروا کر احمد اور سجاول نے حمزہ کو بھی ایک دوسری بس میں سوار کروا دیا۔ آبی اس بیچ خاموشی سے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی رہی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی اس رات کے اندھیرے میں گھر پہنچنے کی حقیقت دنیا کی نظر میں کیا تھی ابا اب تک کس کس قیامت سے گزر چکے ہوں گے۔ اسے بخوبی اندازہ تھا مگر اس کے ساتھ موجود کوئی ایک بھی شخص یقیناً نہیں جانتا تھا کہ ایک لڑکی کی عزت کیا ہوتی ہے۔ سجاول اور احمد کو واپس گاڑی کی طرف آتا دیکھ کر آبدار سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"چلیے مس! اب آپ اپنے گھر کا رستہ بتایے۔"

سجاول کا وہی اکھڑ انداز تھا جیسے یہ بھی اس کا احسان ہو۔ آبدار دل میں اس پر لعنت بھیجتی پتا سمجھانے لگی۔

☆☆☆

"مہک کہاں ہے؟"

ایک درمیانے قد کا لڑکا ابا کو دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو کر چلانے لگا۔ اس کے پیچھے دو اور مرد تھے۔ سب ادھر ادھر جھانکنے لگے۔

"کون ہیں آپ لوگ اور کون مہک؟" ابا کچھ

بھی نہ سمجھے، اس پر ان کے ٹھنڈہ گردی والے انداز۔

"آپ کی بیٹی کہاں ہے؟" علی نے اپنے ازلی تفتیشی انداز سے سوال کیا۔ ابا ٹھٹکے۔

"میری بیٹی کو کیسے جانتے ہیں آپ لوگ؟"

"آپ کی بیٹی میری بیٹی کی دوست ہے اور دوپہر کو وہ اسے کالج سے اپنے ساتھ اپنی گاڑی میں لے گئی تھی یہ کہہ کر کہ اس کے بھائی کی شادی ہے اور اسی کی تیاری میں مدد کروانی ہے اور وہ خود شام کو اسے گھر چھوڑ دے گی۔"

ابا چکرا کر رہ گئے۔

"مگر میرا بیٹا تو صرف آٹھ سال کا ہے۔ آبی ایسا کیوں کہے گی!"

"میں نے خود آپ کے بیٹے کو دیکھا تھا۔ گاڑی وہی چلا رہا تھا۔"

علی جھٹ آگے آیا۔

"میں نے کہا نا میرا کوئی بڑا بیٹا نہیں اور میری بیٹی خود اب تک لاپتا ہے۔" ابا عجیب سا محسوس کرنے لگے۔

"بس تو پھر آپ سمجھ لیں کہ آپ کی بیٹی بھاگ گئی۔"

مہک کے ابو نے آنکھیں پھیریں۔ ابا کا خون کھول اٹھا۔

"میرا خیال ہے آپ یہاں اپنی بیٹی ڈھونڈنے آئے تھے۔ مجھے اپنی بیٹی پر پورا اعتماد ہے اور میرا اللہ اسے محفوظ رکھے گا ہر آفت سے۔ یہ جو کچھ آپ نے بتایا میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ میری آبی نے ایسا کچھ بھی کہا ہوگا۔ وہ بہت ذمہ دار اور باکردار ہے۔ رہی آپ کی بیٹی تو آپ اسے بہتر جانتے ہوں گے۔"

ابا کا اٹل انداز مہک کے ابو کو آگ لگا گیا۔

"جن باپوں کی بیٹیاں شام ڈھلے تک گھر نہ پہنچیں انہیں یہ انداز جچتے نہیں ہیں صاحب۔ اور آپ کی پاک دامن بیٹی کو علی نے خود مہک کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا ہے۔ اسی بنیاد پر ہم یہاں کھڑے ہیں۔"

"کیا یہ سب آبدار نے اپنے منہ سے کہا تھا؟"

ابا نے ان کی ساری باتیں ضبط کرتے ہوئے براہ راست علی سے سوال کیا تھا۔

"نہیں۔ یہ سب مہک نے کہا تھا۔ آبدار اس کے ساتھ کھڑی تھی اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور چپ چاپ مہک کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔"

علی نے سچائی سے ہر بات بیان کی۔

"تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ آبدار نے یہ سب نہیں کہا۔" ابا نے مہک کے ابو کو مخاطب کیا۔

"تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ سارے پلان میں شریک تھی ورنہ جھٹلا دیتی ان باتوں کو اور نہ بیٹھتی گاڑی میں۔" وہ دوبدو بولے تھے۔

ابا سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ یہاں اپنی بیٹی ڈھونڈنے آئے تھے یا اس کا اغوا کار آبی کو ٹھہرانے؟

"دیکھیے مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ مجھے اتنا پتا ہے میری بیٹی لاپتا ہے اور میں اس کے لیے بہت پریشان ہوں۔ وہ لڑکا کون تھا وہ گاڑی کس کی تھی۔ مجھے کچھ علم نہیں۔ آپ طاقت ور لوگ ہیں اپنے ذرائع استعمال کر کے ڈھونڈ لیں اپنی بیٹی کو۔ میں اپنا معاملہ اپنے رب پر چھوڑتا ہوں۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔" ابا نے عاجز ہو کر بات سمیٹی۔

"بات ایسے ختم نہیں ہوگی طلعت صاحب! میں ایف آئی آر کٹواؤں گا اور اس میں یہ درج ہوگا کہ آپ کی بیٹی کے ذریعے میری بیٹی لاپتا ہوئی ہے اور آپ بھی شامل تفتیش ہوں گے۔"

ان کی دھمکی پر ابا سر پکڑ کر رہ گئے۔ ان کا کون سا گناہ تھا جو ان کے آگے آ رہا تھا۔ وہ جہاں کے تہاں کھڑے رہ گئے۔ وہ لوگ اسی دھمک کے ساتھ جا چکے تھے۔ ابا دروازہ بند کرنے آئے تو دیکھا گلی میں لوگ بھرے پڑے تھے گویا سارا محلہ ان کا تماشا دیکھنے کھڑا تھا۔ کچھ ہمدرد بن کر گھر میں گھسنے لگے تاکہ مزید تفصیلات معلوم ہو سکیں۔ ابا نے سب کو نظر انداز کرتے ہوئے دروازہ سختی سے بند کر دیا۔

اندر آکر وہ ابھی سنی گئی ہر بات کا جائزہ لینے لگے۔ انہیں آبی پر لاکھ اعتماد سہی مگر اس کا چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ جانا انہیں کھٹک رہا تھا۔ فری اور بلال سو چکے تھے۔ ان کے کمرے کا دروازہ آہستہ سے بھیڑ کر وہ دوبارہ لاؤنج میں آ بیٹھے۔ اتنا تو انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ اکیلی نہیں تھی۔ وہ دوسری لڑکی جو کوئی بھی تھی آبی اسے جانتی تھی۔ مگر یہ سب کیوں کیا گیا تھا یہ بات تو صرف آبی ہی بتا سکتی تھی۔ وہ رب کے آگے ہاتھ پھیلائے سجدہ ریز ہو گئے۔ آبی کی سلامتی کی دعائیں مانگتے انہیں محسوس ہوا جیسے کوئی بہت آہستگی سے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ ابا محتاط انداز میں دروازے کے قریب ہوئے۔

"کون؟"

"ابا! میں ہوں۔ آبدار!"

بہت بھنچی ہوئی آواز میں آبدار نے کہا۔

ابا نے اس کی آواز پہچان کر تڑپ کر دروازہ کھولا تو وہ جیسے ان کی باہنوں میں ڈھے گئی۔ ابا کا دل اس کے انداز پر کانپ اٹھا۔

"آبی؟" جھٹ اسے الگ کر کے اس کا چہرہ کھوجا۔

"کہاں تھیں تم اور....." ابھی وہ پوچھ بھی نہ پائے تھے کہ دروازے میں کھڑے دو لڑکوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ آبی نے ان کی تقلید میں پیچھے کھڑے سجاول اور احمد کو دیکھا۔

"اندر آیئے۔" آبی کے کہنے پر وہ دونوں اندر آ گئے۔

"آبی یہ؟" ابا کا حیران ہونا لازمی تھا۔

"ابا! یہ لوگ مجھے گھر چھوڑنے آئے ہیں اور یہی آپ کو بتائیں گے کہ کیا ہوا تھا۔" آبی راستے میں سجاول سے یہ بات منوا چکی تھی کہ وہ اس کے ابا کو سب حقیقت خود بتائے گا۔

وہ دونوں ابا کی ہمراہی میں اندر آ کر بیٹھ چکے تھے۔ ابا بہت صبر سے بیٹھے تھے۔ آبدار پاک تھی یہ اس کے انداز سے ظاہر تھا۔ وہ اب تک کالج کے یونیفارم میں ملبوس تھی۔ جو گرز پہن رکھے تھے۔ سر پر کیپ اور چادر جوں کہ توں دھری تھی۔ چہرہ تھکن سے چور تھا۔

"آبی! تم کپڑے بدل کر آؤ۔" ابا کے کہتے ہی وہ اندر چلی گئی۔

"آپ لوگوں کو یہاں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

ابا کو اب خیال آیا تھا۔

"نہیں انکل! مس آبدار نے ہمیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ ہم محتاط ہو کر آئے ہیں۔" جواب احمد نے دیا۔

"آپ لوگ آبدار کو کیسے جانتے ہیں؟" ابا سے اس سے زیادہ صبر نہیں ہوا۔

جواباً احمد نے ساری کہانی ان کے گوش گزار کر دی۔ ابا کا چہرہ غضب سے سرخ ہو گیا۔

"تو گویا اپنے دوست کی مدد کی خاطر آپ نے میری بیٹی کا کردار مشکوک بنا دیا؟ اس پر اس معاشرے میں زندگی تنگ کر دی۔"

ابا کے بیان پر سجاول نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ہم نے ایسا کب کیا؟ آپ کی بیٹی صحیح سلامت آپ تک پہنچا دی ہے۔ ہاں کچھ دیر ہو گئی اس کے لیے ہم معذرت خواں ہیں۔"

ابا نے اس کی ڈھٹائی پر اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"بہن ہے تمہاری کوئی؟"

ابا کے سوال پر سجاول کے ذہن میں خود سے کئی سال چھوٹی دھانی کا چہرہ گھوم گیا۔ ساتھ اس کا سر اثبات میں ہلا۔

"مجھے سوچ کر بتاؤ اگر تمہاری بہن پورا دن کے لیے لاپتا ہو جائے تو لوگ تم سے کیسے سوال پوچھیں گے؟ کیا تم پولیس کے پاس جاؤ گے اس کی رپورٹ کرانے۔ کیا اس کی عزت خراب ہونے کا ڈر تمہارے دامن گیر نہیں ہو گا؟"

سجاول کو اب ان کی فکر سمجھ میں آئی۔

"تمہارا احسان کہ تم نے اسے باعزت گھر تک چھوڑ دیا مگر اسے بلاوجہ تم سب نے اپنے مقصد کے لیے روک کر جو مشکل ہمارے لیے کھڑی کی ہے اس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں۔"

ابا نے مہک کے ابو کی آمد اور دھمکی کے متعلق انہیں آگاہ کیا تو پہلی بار سجاول کے چہرے پر فکر جھلکی۔ اسے واقعی اندازہ نہ تھا کہ مہک کا گھر سے بھاگنا اور آبدار کو اس میں گھسیٹنا ان شریف لوگوں کے لیے کیا قیامت لے آئے گا۔

"انکل! ہم بہت شرمندہ ہیں۔" احمد نے گلا کھنکارتے ہوئے کہا۔

"میں اب آبدار کو یہاں نہیں رکھ سکتا۔ مہک کے والد اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی بیٹی کیوں اور کس کے ساتھ بھاگی ہے مگر آبدار کا غائب ہونا انہوں نے اپنے لیے ڈھال بنالیا ہے اور وہ اب اس کا بھرپور استعمال کریں گے۔ میں سفید پوش شخص ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور تم....." انہوں نے سجاول کو مخاطب کیا۔ "مہک نے تمہیں آبدار کا بھائی بتایا ہے اور اس لڑکے علی نے تمہیں بھی دیکھ لیا تھا لہٰذا اب تمہیں بھی ان سے خطرہ ہے۔"

ابا کی بات پر سجاول چونکا ضرور مگر وہ مطمئن تھا۔

"میرا کوئی مسئلہ نہیں انکل۔ میں گاؤں چلا جاؤں گا آج رات۔ میں یہاں صرف پڑھنے آیا تھا۔"

اس کا بے پروا انداز ابا کو سلگا گیا۔ گویا سب نے اپنا انتظام کر رکھا تھا۔ بلی کا بکرا صرف ان کی بیٹی بنی تھی۔

"تو ٹھیک ہے پھر آبدار کو تم اپنے گاؤں لے کر جاؤ گے۔"

ابا کی بات پر سجاول بے یقینی سے اپنی نشست سے اٹھ گیا۔ "کیا مطلب ہے آپ کا؟"

احمد بھی اس عجیب سی فرمائش پر ہونق بنا ان کو دیکھنے لگا۔

"میرے کوئی رشتہ دار نہیں۔ ہوتے تب بھی کوئی میری بات کا یقین نہیں کرتا۔ میں کس کس کو آبدار کی بے گناہی ثابت کروں گا۔ وہ تم سب کی وجہ سے اس مقام تک آئی ہے۔ محلے والوں نے اپنی آنکھیں گویا میرے گھر میں رکھ چھوڑی ہیں۔ اس لڑکی کا باپ میری بیٹی کا نام تھانے میں درج کرا رہا ہے۔ پولیس تم سب سے پہلے میری بیٹی کو ڈھونڈے گی۔ میں اس شہر سے بھاگا تو مجرم سمجھا جاؤں گا۔ میرے آگے دو اور بچے ہیں۔ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔"

ابا کے چہرے پر دراڑیں تھیں۔ چوکھٹ پر کھڑی آبدار پتھر کی ہوگئی۔ سجاول سب سے پہلے سنبھلا۔

"بتایئے میں کیا کرسکتا ہوں؟"

"تمہیں آبدار سے نکاح کر کے اسے اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔"

ابا کی بات سے آبدار کے اندر کچھ ٹوٹا۔ سجاول نے بے ساختہ چہرہ گھما کر اسے دیکھا۔

"مگر میں کیوں۔؟"

ابا نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹی۔

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔ تم حفاظتی اقدام کے پیش نظر آبی سے کاغذی نکاح کر کے اسے لے جاؤ۔ جب تمہارا دوست اس لڑکی کے ساتھ واپس آکر اس کے والدین کو منالے گا تب تم آبی کو آزاد کردینا۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ میں یہ شہر چھوڑ کر تمہیں اطلاع کردوں تو تم آبی کو مجھ تک پہنچا دینا۔" وہ سب کچھ طے کر چکے تھے۔

"مگر یہ سب ہوگا کیسے؟ میرے والدین ہیں سارا خاندان ہے میں کیا جواب دوں گا۔" سجاول تیوری چڑھائے پوچھ رہا تھا۔

"یہ سب تم جانو۔ بہت بڑے پلانر ہو۔ لوگوں کی خفیہ شادی کروا کر انہیں فرار کرواتے ہو۔ تمہیں تو یہ سب بہت اچھی طرح کرنا آتا ہوگا۔"

احمد اور سجاول نے بہت ضبط کر کے ابا کے طنزیے۔

"ٹھیک ہے انکل! آپ تیاری کریں میں نکاح خواں کو لاتا ہوں۔"

احمد سجاول کے کندھے پر دباؤ ڈال کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ گلی اب سنسان تھی۔

"آبی! تم سب سن چکی ہو تو جا کر اپنا ضروری سامان باندھ لو۔"

ابا نے اسے ہنوز چوکھٹ پر جمے دیکھ کر پکارا۔ وہ ایک شاک سے سنبھلتی واپس پلٹ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد احمد کسی قاضی کو مسجد سے پکڑ لایا تھا۔ وہ آنکھیں ملتا حیران سا نکاح پڑھانے لگا۔ ساڑھے بارہ بجے وہ سجاول کے ساتھ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

"اپنے ابا سے بدگمان مت ہونا آبی! مگر اس وقت تمہاری حفاظت سب سے پہلی ترجیح ہے میری۔ باقی تم سمجھ دار ہو کہ اپنی حفاظت کیسے کرنی ہے۔ حالات بہتر ہوتے ہی میں تمہیں واپس بلا لوں گا۔"

وہ سوئے ہوئے بہن بھائیوں کو پیار کرتے ہوئے مسلسل رو رہی تھی جب ابا نے اسے خود سے لگا کر کہا۔ سجاول ان کی بات پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ میں تو مر رہا ہوں جیسے۔

ابا نے ایک بھرپور نظر اس سندھی خدوخال والے اونچے لمبے نوجوان پر ڈالی۔ گردن تک آتے لہریے دار بالوں کا اگلا حصہ ماتھے کے اوپری حصے پر گرائے وہ بڑا مغرور اور بے نیاز سا لگتا تھا۔ یہ بات تسلیم کرنے میں انھیں کوئی عار نہیں تھا کہ اس نے اپنی آمد سے اب تک ایک بار بھی ان کی آنکھوں میں نہ دیکھا تھا اور نہ ہی آبی کی طرف اس کی نظر بھٹکی تھی۔

"میری بیٹی کا خیال رکھنا اور یہ بھی مت بھولنا کہ یہ نکاح کسی کی عزت بچانے کے لیے کیا گیا ہے۔" ابا نے پھر اسے باور کرایا۔ سجاول کا دماغ گھومنے لگا۔ انتہائی دھتائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر نظر اٹھا کر آبی کو دیکھا۔ حالانکہ اس نے پھر نقاب کر لیا تھا۔ احمد کی سمجھ میں اس کی کیفیت آ گئی تھی جبھی آگے بڑھا۔

"بے فکر رہیے انکل۔ اچھا اب اجازت دیں۔ اللہ حافظ"

ابا نے دعاؤں کے حصار میں اسے رخصت کیا تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ کسی ہیولے کی طرح اوجھل ہو گئے تھے۔ ابا نے اطمینان سے دروازہ بند کیا اور اندر آ گئے۔ وہ اب تک بے یقین تھے کہ اللہ نے ان سے یہ کیسا فیصلہ کروا دیا تھا۔ مگر وہ اب مطمئن محسوس کر رہے تھے۔ ان کی آبرو اب محفوظ تھی۔

☆☆☆

ان کی قسمت ہی تھی کہ رات ایک بجے انہیں سجاول کی مطلوبہ بس تیار کھڑی مل گئی تھی۔ آبی کسی روبوٹ کی طرح جدھر وہ کہتا چل دیتی۔ احمد ان دونوں کو بس میں بٹھا کر ہی رخصت ہوا تھا۔

"آج ہم سب کی زندگی کا تاریخی دن ہے۔ خدا کے واسطے کچھ عرصے تک تم سب اپنی منحوس شکلیں مجھے نہ دکھانا۔ دماغ تھکا دیا میرا۔" احمد نے اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے ہنس کر کہا۔ سجاول نے اسے ساتھ لگائے ہوئے ہی اس کی پسلی میں مکا جڑا۔

"کمینے تیرا کس حساب میں تاریخی دن ہو گیا۔ یہاں میرا دماغ خراب ہو رہا ہے سوچ سوچ کر کہ گھر پر کیا بتا کر ان عزت مآب محترمہ کو متعارف کرواؤں گا۔"

اس کو پہلی بار ایسے فکر مند دیکھ کر احمد جی بھر کر ہنسا۔

"بھائی مان نہ مان اس کے باپ نے اپنی بے عزتی کی پوری قیمت لے لی تجھ سے۔ واقعی عزت پر جان دینا اس کو کہتے ہیں۔ اور ایسا یقین اپنی بیٹی پر۔ جو پورا دن گھر سے غائب رہی اور رات کے اندھیرے میں دو انجان لڑکوں کے ساتھ واپس آئے۔ لوگ دلہنیں پار نہیں کرنے دیتے ایسی لڑکی کو مگر سلام ہے اس شخص کو۔ اب بھی تجھے کیئر ٹیکر ہی بنایا

ہے اس کی عزت کا۔ بھول نہ جانا۔" احمد نے آخر میں پھر اسے چھیڑا اور قہقہہ مار کر ہنسا۔ سجاول اس کا مطلب سمجھ کر کھول اٹھا۔

"دفع ہو جا اب یہاں سے۔ میں بھی تھک گیا دن رات تیری شکل دیکھ کر جیسے تو میری بیوی ہے جو جان ہی نہیں چھوڑ رہا۔"

اس کے جلے بھنے بیان پر احمد پھر خباثت سے ہنسا۔

"جا بیٹا جا، بیوی کا مطلب تجھے اب پتا چلے گا۔" اس نے بس کے اندر بیٹھی آبدار کی طرف اشارہ کیا اور پھر ہنس دیا۔

سجاول نے اس کا گلا دبوچا اور پھر بغل گیر ہو گیا۔ بس کا ہارن بجنے لگا تھا۔ آخری بار اس سے ہاتھ ملا کر وہ بس پر سوار ہو گیا۔

چوتھی رو کی دائیں جانب والی ڈبل سیٹ ان کی تھی۔ آبی چادر چہرے پر گرائے شیشے کی طرف منہ کیے بیٹھی تھی۔ سجاول کھانے کا سامان سیٹ کی اوپری جگہ پر رکھ کر بڑا تھک کر اس کے پہلو میں بیٹھا۔ سانس کے ساتھ اس نامانوس مہک نے اس کا استقبال کیا۔ کچھ یہی احساس سجاول کو بھی ہوا۔ دونوں ایک پل کو اس قربت سے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دوسرے پل دونوں نگاہ پھیر چکے تھے۔

سجاول نے تھک کر آنکھیں موندیں تو آج کا پورا دن کسی فلم کی طرح ریوائنڈ ہونے لگا۔

وہ اس شہر میں کچھ سال پہلے آیا تھا۔ بابا سائیں سے جھگڑ کر کہ اسے زمینیں نہیں سنبھالنی۔ اسے گاؤں کے لوگوں والا کوئی کام نہیں کرنا۔ وہ پڑھنا چاہتا تھا پھر چاہے وہ جاب کرتا یا کاروبار۔ یہ اس کا فیصلہ تھا۔ وہ کوئی وڈیرے نہ تھے نہ ہی کئی مربع زمین کے مالک۔ وہ گاؤں کے چھوٹے زمین دار تھے مگر اپنی حیثیت سے بڑے خوش اور مطمئن۔ اس سے بڑا سانول تھا اور اس سے چھوٹی دھانی تھی۔ وہ تین ہی بہن بھائی تھے۔ اماں سائیں بابا سائیں بالکل دیہاتی تھے۔ سانول نے گاؤں کے واحد کالج سے بارہ جماعتیں پڑھی تھیں۔ اب زمینوں کا کام بابا سائیں کے ساتھ وہی سنبھالتا تھا۔ دھانی نے بھی میٹرک کے بعد پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ باغی تو بس وہی تھا اس پورے خاندان میں۔ گاؤں میں ان کا بڑا اچھا کھلا کھلا گھر تھا۔ دور پگڈنڈی سے بھی نظر آتا تھا۔ اس کے سارے چچا پھوپھو وہیں آس پاس رہتے تھے۔ اماں سائیں دوسرے گاؤں کی تھیں مگر بابا سائیں سے رشتہ داری تھی۔ ساتھ کا گاؤں اس کا ننھیال تھا۔ بڑی سکون والی زندگی گزر رہی تھی جب تک اس نے انٹر نہیں کیا تھا۔ بارہ جماعت پاس کر کے اس نے شہر جا کر آگے پڑھنے کی بات کیا کی۔ بابا سائیں نے اس کے ساتھ بات کرنی بند کر دی۔ ان کی زندگی میں ان کی آنکھوں کے سامنے جو بھی شہر گیا لوٹ کر نہیں آیا تھا۔

کچھ دن خاموشی اختیار کرنے کے بعد اس نے ایک دن دوٹوک سب سے کہہ دیا کہ اس نے شہر کے کالج میں داخلہ بھجوا دیا ہے اور نام آتے ہی وہ چلا جائے گا۔ بابا سائیں کو اس کی ہٹ دھرمی سے اتنا غصہ آیا کہ انہوں نے اسے ایک پیسا بھی دینے سے انکار کر دیا۔ سجاول کم عمر تھا۔ جوش میں ہر چیز کو لات مار کر چلا آیا۔ اماں سائیں نے البتہ کچھ پیسے چپکے سے اس کے سامان میں رکھ دیے تھے۔ یہاں آ کر اس کی ملاقات پہلے ہی دن شجاع سے ہو گئی۔ بس قسمت میں ساتھ لکھا تھا۔ شجاع یوں تو اس شہر کا نہ تھا مگر یہاں اس نے اپنے ابو کے جاننے والے ایک صاحب کے توسط سے ایک کمرا کرائے پر لے رکھا تھا جس کا خرچ ظاہر ہے اس کے ابو برداشت کرتے تھے۔ شجاع کی فیملی پنجابی تھی اور پڑھے لکھے خوش حال لوگ تھے۔ اس نے اپنے ابو کی اجازت سے سجاول کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یوں ابتدائی طور پر اس کی رہائش کا انتظام ہو گیا۔ سجاول اس بیچ پابندی سے گاؤں کے چکر لگاتا اور اس کے پیچھے اماں سائیں اور سانول بابا سائیں کو اس کے حق میں ہموار کرنے کی

کوشش کرتے۔

شجاع نے اس کا اس دور میں بہت ساتھ دیا۔ شجاع کے توسط سے اسے کچھ ٹیوشنز مل گئی تھیں جن سے وہ اپنے اخراجات نکالنے لگا۔ دو سالوں میں اسے اس شہر کے راستے بھی سمجھ میں آگئے تھے۔ اور لوگ کی بھی۔ اس کی اچھی ساکھ کی وجہ سے اساتذہ اسے پسند کرتے اور اس کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے اسے چھوٹی موٹی جابز بھی آفر کردیتے۔ اسی طرح ایک دن اسے اپنے ایک استاد کے ذریعے ایک بڑی کمپنی کے لیے اسٹیشنری سپلائی کا ٹھیکہ مل گیا۔ کام کوئی مشکل نہ تھا۔ بس مارکیٹ سے صحیح ریٹ پتا کر کے مال اٹھانا تھا اور کمپنی میں کچھ پیسے اوپر رکھ کر سپلائی کرنا تھا۔ اس کے استاد بھی اسی طرح ایک فرضی نام سے مختلف جگہوں پر یہ کام کرتے تھے۔ سجاول کو ایک بار میں ہی یہ کام سمجھ میں آگیا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ اسے اچھی آمدنی ہونے لگی۔ وقت بھی زیادہ نہیں دینا پڑتا تھا۔ اس کی پڑھائی بھی ٹھیک ٹھاک چلتی رہی۔

بابا سائیں کو اتنے سالوں میں احساس ہوگیا تھا کہ وہ طوطا چشم نہیں نکلا تھا۔ وہ آج بھی ان کا وہی سجی تھا۔ عرصہ ہوا ان کی ناراضی کا سورج ڈوب چکا تھا۔ اب وہ اس کی آمد پر خوب خوشی مناتے۔ پورے گاؤں کا سب سے پڑھا لکھا لڑکا انکا بیٹا تھا۔ اماں سائیں تو کبھی اس سے ناراض تھیں ہی نہیں اور نہ ہی اس کے بہن بھائی۔

بس رکنے کے احساس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ مسافر نیچے اتر رہے تھے۔ رات کا سیاہ دھاگا سفیدی کے دھاگے سے الگ ہو رہا تھا۔ فجر کا وقت نکل رہا تھا۔ یہاں مسجد اور دکانیں تھیں جیسے ہائی وے پر بنے ہوئے مسافر خانے۔ سجاول کو نماز پڑھنی تھی مگر وہ آبدار کو ایسے سوتا ہوا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"سنئے مس۔؟"

اس کی طرف جھک کر ہلکے سے آواز دی مگر 'مس' خاصی فرصت سے سو رہی تھیں۔

"کیا کروں؟" سجاول جھنجلایا۔

"میں اسے اس طرح اٹھا سکتا ہوں۔ نکاح میں ہے میرے۔" خود کو بڑی ٹھوس دلیل دے کر سجاول نے اس کا کندھا ہلایا۔

"اٹھ جایئے فجر ہوگئی ہے۔"

ایک تو انجان لمس، اس پر اس کے کان کے قریب ابھرتی مردانہ آواز۔ آبی بہت چونک کر جاگی۔ سجاول جو بالکل اس کے قریب جھکا ہوا تھا ایک دم سیدھا ہوا۔ آبی کا نقاب ڈھلک گیا تھا۔ بس خالی ہوچکی تھی۔ ڈرائیور تک اتر چکا تھا۔ آبدار نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کا اثر زائل کیا۔ سجاول نے نگاہ پھیر لی۔

"نیچے آجائیں، فریش ہولیں۔ اب دوبارہ بس نہیں رکے گی۔ ہماری منزل اب دور نہیں ہے۔" وہ کھڑا ہوکر کہتا ہوا اوپر سے ضروری سامان اتارنے لگا۔

آبدار چادر از سر تا پیر لپیٹ کر اس کی تقلید میں نیچے اتری۔ اس کا بالکل پہلا تجربہ تھا کسی بھی لمبے سفر کا۔ سجاول اسے لیڈیز کی سائیڈ پر چھوڑ کر خود دوسری طرف چلا گیا۔

آبدار نے بھی فریش ہوکر نماز پڑھی اور ایک طرف بیٹھ گئی۔ بس کی دوسری خواتین بھی اس کے ساتھ وہیں بیٹھ کر چائے وغیرہ منگوانے لگیں۔ آبدار کل دوپہر سے بھوکی تھی۔ اب اس کا برا حال تھا۔

"اکیلی جارہی ہو؟" اس کے ساتھ بیٹھی ایک خاتون نے اسے لاتعلق بیٹھے دیکھ کر سوال کیا۔

آبی خالی الذہنی سے ان کی شکل دیکھنے لگی۔ سمجھ میں ہی نہ آیا کیا جواب دے۔ اچانک فاصلے سے سجاول آتا دکھائی دیا۔ وہ منہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ان کے ساتھ ہوں۔" اس نے اشارہ کر کے بتایا۔

"میاں ہے تمہارا اچھا اچھا۔" خاتون نے خود ہی جواب دے دیا۔

جب ہی سجاول نے اسے اشارہ کیا۔ "ادھر

آجائیں ناشتا کرلیں۔"

پھر وہی بے نیازی برتتا انداز جو آبی کو خود میں سمٹنے پر مجبور کردیتا تھا۔ وہ اسے لیے ایک ٹیبل پر آبیٹھا جو لوگوں سے نسبتاً دور تھی۔ سجاول نے اپنے پاس موجود سامان میں سے کیک اور بسکٹ نکال کر ٹیبل پر رکھے ساتھ پانی کی بوتل۔ آبدار نے پانی دیکھتے ہی بے ساختہ بوتل اچک لی اور ایک سانس میں خالی کرگئی۔ سجاول نے حیرت دبا کر اس کی پھرتی دیکھی اور چائے میں کیک ڈبو کر کھانے لگا۔ آبدار نے سارا تکلف بالائے طاق رکھتے ہوئے کیک اور بسکٹ سے انصاف کیا۔

سجاول ایسے سفر کا عادی تھا لہٰذا اسے ان سب چیزوں کی عادت ہوچکی تھی لیکن آبدار نہ صرف یہ کہ پہلی بار سفر کررہی تھی بلکہ سجاول کو یاد تھا کہ اس نے کل سے اب تک کچھ نہیں کھایا تھا۔ اپنی ذات کو ایک طرف رکھ دیتا تو اس لڑکی اور اس کے باپ کے ساتھ ہوئی زیادتی اندھیرے میں پھیلی چاندنی جیسی روشن تھی۔ خود اس نے کب سوچا تھا کہ اس بار وہ گھر جائے گا تو یہ بھاری ذمہ داری اس کے کندھوں پر ہوگی۔ اس نے شجاع کے ہر احسان کا بدلہ سود سمیت چکا دیا تھا اور اسے خبر بھی نہیں تھی۔ پلان میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ لوگ ایک دوسرے سے کچھ عرصہ رابطہ نہیں رکھیں گے۔

بس کا ہارن پھر بج رہا تھا۔ روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی۔ آبی نے دوبارہ چہرہ ڈھانپا اور وہ دونوں پھر بس میں سوار ہوگئے۔ اس بار آبی کی آنکھ نہیں لگی۔ وہ کھڑکی سے پردہ سرکائے دور تک نظر آتے کھیت کھلیان دیکھنے لگی۔ کھیتوں کے کناروں پر فاصلے سے بنے گھروں میں جلتے تندوروں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ گائے بھینسیں بکریاں مست چال چلتے ہوئے کچے راستے پر خراماں خراماں جارہی تھیں۔ مشرق سے ابھرتا سورج براہ راست اس کی آنکھوں کے ستارے روشن کررہا تھا۔ وہ اپنے شہر سے اپنے گھر سے اپنے ابا اور بہن بھائیوں سے کتنا دور نکل آئی تھی اور پتا نہیں کب تک یہ دوری قائم رہنی تھی۔! سوچ کر ہی اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ اس نے چپکے سے ایک بددعا مہک کے نام کی اور چہرے سے چادر کا کونا ہٹا کر آنسو صاف کرنے لگی۔ سجاول موبائل پر مصروف تھا۔ اچانک چہرہ موڑ کر اسے روتا دیکھنے لگا۔ اس اجلی صبح کا پہلا غم لمحہ تھی وہ۔ اسے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ کیوں رورہی تھی۔

"روئیں نہیں، میں گھر پہنچ کر آپ کو اور ناشتا کروادوں گا۔"

بالکل غیر متوقع بات پر وہ رونا بھول کر اسے حیرت اور غصے سے گھورنے لگی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں آپ کو اتنی بھوکی لگتی ہوں؟"

سجاول نے رخ پھیر کر خود پر قابو پایا۔

"مطلب آپ بھوک کی وجہ سے نہیں رورہی تھیں؟ اچھا میں یہی سمجھا تھا۔" بجائے اس کے رونے کی وجہ پوچھنے کے وہ ایک فضول سا جملہ بول کر اسے رونا بھلا چکا تھا۔

"چلیں اب یہ رونا دھونا ختم کرکے تیاری پکڑیں۔ گاؤں آگیا ہمارا۔" وہ اسے آرڈر دے کر پھر سے روڈ ہوچکا تھا۔

"ہمارا؟" آبی اسی لفظ پر اٹک گئی تھی۔

☆☆☆

بس سے سجاول اپنا سامان اٹھا کر گاؤں کی آبادی کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑا تھا۔ آبی نے اپنا بیگ خود اٹھایا ہوا تھا اور سجاول نے اسے ایسی کوئی پیش کش کی بھی نہیں تھی۔ وہ چادر سنبھالتی اس کی تقلید میں تیز تیز قدم اٹھانے لگی جس کی چال میں اپنی فضاؤں میں قدم رکھتے ہی ایک برقی قوت بھر گئی تھی۔ نیلے رنگ کے شلوار قمیص پر بھاری سی پشاوری سینڈل پہنے، اپنے گردن تک آتے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتا وہ آبدار کو مکمل نظر انداز کیے آگے ہی آگے چلا جارہا تھا۔ اس کا قد بہت لمبا تھا مگر آبی اس کے کندھے سے اوپر ہی نکلتی تھی۔ اس کا اور فری

کا قد امی جیسا لمبا تھا جبکہ ابا درمیانے قد کے تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک پگڈنڈی پر آ کر ٹھہر گئے تھے۔ نظروں کے بالکل سامنے وہ نیلے اور گلابی رنگ کا دو منزلہ گھر تھا جس کی بڑی بڑی محرابی کھڑکیاں تھیں۔ گھر کا احاطہ بہت چوڑا تھا جس کی دیواریں چھوٹی تھیں۔ ان کے پار ہرے بھرے درخت جھانک رہے تھے۔ گھر کے دو طرف مخالف سمت میں لکڑی کے دروازے تھے جو بہت چوڑے تھے۔ گھر کے اطراف بھی اونچے درخت تھے جن کی چھاؤں گھر کی اوپری منزل تک پرسایا کیے ہوئے تھی۔

"وہ رہا میرا گھر۔" سجاول اشارہ کرتا ہوا آگے آگے چلنے لگا۔ آبدار کو نجانے کیوں اس جگہ کو دیکھ کر ایک تحفظ کا احساس ہوا۔

"بابا سائیں! ادا آ گئے۔"

صحن میں چاول چنتی دھانی اس کے قدم اندر رکھتے ہی چلائی اور بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔ سجاول نے بازو اس کے گرد دراز کر دیا۔ دونوں بہن بھائی کھلکھلا اٹھے۔ آبدار جھجک کے مارے باہر ہی رک گئی۔ جب ہی اندر سے اماں سائیں اور بابا سائیں باہر آئے اور وہ باری باری دونوں کو سلام کرتا ہوا پیار لینے لگا۔ دھانی دروازہ بند کرنے لگی تو چوکھٹ سے لگ کر کھڑی آبدار کو دیکھ کر چونکی۔

"یہ کون ہے ادا۔؟" اس نے مڑ کر سجاول سے پوچھا۔ سجاول کو اچانک یاد آیا کہ وہ اسے بالکل فراموش کر چکا تھا۔

"کون ہے دھانی؟" اماں سائیں بھی آگے آئیں۔ بڑی پیاری سی کم عمر سی لڑکی اپنا بیگ سنبھالے ان کے دروازے پر کھڑی تھی۔

"بچی یہ۔؟"

ان کے چہرے پر بے یقینی دیکھ کر سجاول کی ہمت جواب دے گئی۔ (یہ اس کا کردار نہ تھا کہ ماں باپ سے چھپ کر شادی کر لیتا) بہت مشکل سے اس نے کہنا شروع کیا۔

"اماں! یہ شجاع کی کزن ہے مطلب اس کے چاچا کی لڑکی۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ وہ لڑکی جس سے شجاع شادی کرنا چاہتا تھا، وہ، 'اس کے' ساتھ پڑھتی تھی۔ جب شجاع اس لڑکی کو لے کر بھاگا یہ بے چاری اس کے ساتھ تھی جسے مہک کے گھر والوں نے دیکھ لیا بس وہ تو بھاگ گئے مگر اس کے باپ نے ان کے گھر آ کر دھمکیاں دیں اس لیے شجاع نے اسے میرے ساتھ بھیج دیا تا کہ جب تک معاملہ ٹھنڈا نہ ہو یہ محفوظ رہے۔ اس کے ابا کی اجازت سے لایا ہوں اماں بس کچھ وقت۔"

آبدار عش عش کر اٹھی۔ کتنی آرام سے اپنا مرکزی کردار اس نے حذف کیا تھا اور وہ 'بے چاری'۔ اس نے خاموش نگاہ اٹھا کر سجاول کو دیکھا جو ایک نظر دیکھ کر نگاہ چرا گیا۔

"پتا نہیں لوگ اپنی اولاد کو اس مقام تک کیوں لے آتے ہیں کہ وہ گھر سے بھاگ جائے۔ کیا تھا بیٹے کی پسند سمجھ کر قبول کر لیتے۔ زندگی اس نے گزارنی تھی۔ اس کی خوشی دیکھنی تھی مگر ہائے ری دنیا۔" اماں سائیں نے تاسف سے سر ہلایا۔

"چل بچے کوئی نہیں۔ آجا اندر اپنا گھر سمجھ۔ دھانی بہن کو اندر لے جا روٹی پانی دے۔" اماں کے بعد بابا سائیں نے بھی اسے خوش آمدید کہا تو سجاول کے سر سے بوجھ سرکا۔ ٹھنڈی سانس بھرتا وہ اوپر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

دھانی اسے ایک کمرے میں لے آئی جو بہت کھلا کھلا تھا جس کا ایک دروازہ صحن سے جب کہ دوسرا پچھلی سیڑھیوں کی طرف کھلتا تھا۔ کمرے میں چنیوٹی طرز کا ایک بڑا پلنگ پڑا تھا۔ جس کے دونوں اطراف چھوٹی میزیں رکھی تھیں۔ تمام میزوں پر خوب صورت میز پوش بچھے ہوئے تھے۔ گلابی مائل سفید پردے دو طرف کھلنے والی کھڑکیوں پر پڑے تھے۔ صفائی اور نفاست نے آبی کے اعصاب پر بہت اچھا اثر چھوڑا۔ وہ اپنا بیگ کھول کر دوسرے کپڑے نکالنے لگی۔ دھانی اسے واش روم کا بتا کر خود

باہر چلی گئی۔ آبدار نہاتے ہوئے بھی سجاول کے والدین کی سوچ اور خیالات کی قائل ہو رہی تھی۔ ایک نظریہ وہ تھا جو اس کا اپنا تھا کہ مہک نے اپنے ماں باپ کی عزت خراب کی اور ایک نظریہ ان لوگوں کا تھا کہ اولاد کو اس مقام تک لانے والے بھی ماں باپ ہی تھے۔ گاؤں میں رہنے والے لوگوں کا ایسا وسیع الذہن آبدار کو چونکا گیا تھا اور خود اس کے متعلق جو کہانی سجاول نے سنائی اس پر بھی انہوں نے کوئی سوال نہ کیا بلکہ اپنے بیٹے پر ایک پل کے لیے بھی شک نہ کیا۔ یہ لوگ واقعی الگ تھے۔

وہ فریش ہو کر باہر آئی تو دسترخوان لگ چکا تھا۔ دھانی کے ساتھ ایک اور لڑکی کچن سے چیزیں لا لا کر رکھ رہی تھی۔

"سلام اوی!" آبدار کو آتا دیکھ کر اس نے مسکرا کر سلام کیا۔ آبی نے بھی دھیمی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ نایاب جھینپ کر مسکرا دی۔ کتنی پیاری شہری لڑکی ان کی مہمان بنی تھی۔

"آجا بچے۔ روٹی کھا۔"

بابا سائیں نے اسے آتا دیکھا تو ہاتھ سے کھانے کی طرف اشارہ کر کے بلانے لگے۔ وہ ارد گرد دیکھتی ہوئی بیٹھ گئی۔ جب ہی سجاول اندر داخل ہوا۔ زنگ کلر کے گول گلے کے کرتے پر سفید شلوار پہنے۔ نہایا دھویا وہ خاصا بہتر لگ رہا تھا ورنہ کل سے اب تک آبی کی اس کے بارے میں رائے کچھ اچھی نہیں تھی۔ وہ اسے ایک بد دماغ دیہاتی ہی لگ رہا تھا۔ اس وقت اس کی رنگت بھی کھلی ہوئی تھی اور چہرے پر ابھری ہوئی شیو بھلی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ابھری ہوئی اور بادامی رنگ کی تھیں جن میں ایک خاص بے نیازی کی جھلک تھی۔ چہرہ چوکور تھا، ناک سیدھی کھڑی تھی اور رخسار چہرے کی ہڈی پر تنے ہوئے تھے۔ ہونٹ یوں تو پتلے تھے مگر ان کی ظاہری لکیر بہت واضح تھی جیسے لڑکیاں لپ پنسل سے بنا لیتی ہیں۔ یہ اس کے چہرے پر ایک خوب صورت چیز تھی جو پہلی نظر میں توجہ کھینچ لیتی تھی۔ اس کے لمبے بال اس وقت سمٹے ہوئے تھے اور چہرہ بالکل واضح تھا۔

وہ ایک تفصیلی نظر ڈال کر ناشتے پر جھک گئی۔ بھوک بہت زوروں کی لگ رہی تھی۔ خستہ پراٹھے، مرغی کا شوربہ، ملائی والی دہی، انڈے اور گرما گرم چائے۔ آبدار ان کی مہمان نوازی پر مجذوب سی ہو گئی۔

"بیٹا ہاتھ کھول کر کھا۔ لمبے سفر سے آئی ہے بھوک لگی ہو گی۔"

اماں سائیں کچن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے آئیں اور اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ آبدار ان کی اتنی شفقت پر پگھلنے لگی۔ عرصہ ہوا اس ممتا بھرے لہجے کی چاشنی محسوس کیے۔

"میں لے رہی ہوں آنٹی۔" اس نے تکلفاً مسکرا کر جواب دیا۔

سجاول عین اس کے سامنے آ کر بیٹھا تو نظر سیدھی اس کے سراپے سے الجھ گئی۔ گہرے نیلے رنگ کا شلوار قمیص جس پر اونی رنگین دھاگوں کا کام ہوا تھا اس پر اپنی عادت کے مطابق ہم رنگ دوپٹا ماتھے تک جمائے وہ نگاہ نیچی کیے بیٹھی تھی۔ آج چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ گلابی رنگت غسل کے بعد دمک رہی تھی۔ اس کا چہرہ لمبا تھا۔ اس کی ناک ستواں تھی اور ہونٹ بہت گلابی۔ جلد صاف تھی۔ آنکھیں بہت روشن اور شفاف تھیں جن میں سیاہ پتلیاں ستارے کی طرح چمکتی تھیں۔ وہ مجموعی طور پر پرکشش تھی۔ سجاول نے بہت آرام سے ناشتے کے ساتھ اس کا مکمل جائزہ لیا تھا۔ اس بے باکی کی بڑی مضبوط دلیل وہ خود کو بار بار دے رہا تھا کہ وہ اس کے نکاح میں تھی۔ کاغذی ہی سہی۔

"السلام علیکم! اوئے بچی، آ گیا تو؟"

زور دار پر جوش آواز پر آبی نے ہڑبڑا کر دوپٹے کا کونا چہرے کے آگے کیا۔ آنے والا سانول تھا جو شاید زمینوں سے لوٹا تھا۔ سجاول اس کی آواز سن کر یک لخت کھڑا ہوا اور بھینچ کر اسے گلے لگا لیا۔ ان دونوں بھائیوں میں عمر کا خاص فرق نہیں تھا جب ہی

دوستی بھی تھی۔ سجاول اس کا نام لیتا تھا۔
"مہمان لایا ہے ساتھ!"
اس سے حال احوال لیتے سانول کی نظر سامنے بیٹھی لڑکی پر پڑی۔
"ہاں وہ شجاع کی بہن ہے۔" اس نے مختصراً وہی کہانی اس کے گوش گزار کی۔
"چل یہ نیکی کی تو نے۔ ادی، آپ آرام سے رہو۔ اپنا گھر سمجھو۔" سانول کا ردعمل بھی باقی لوگوں جیسا ہی تھا۔ آبی سر ہلا کر رہ گئی۔
"اس کے باپ کو اطلاع کر دی خیریت کی؟" بابا سائیں کے کہنے پر سجاول اور آبدار کی نظریں ملیں۔
"جی بابا سائیں بتا دیا تھا۔"
سجاول نے سنبھل کر جواب دیا۔
"ہاں اچھا کیا۔ ہو سکے تو میری بات کروا دینا۔ میں ان کو ڈھارس دوں گا۔ جوان بچی کو بھیج کر پریشان ہوں گے۔" بابا سائیں نے آبدار کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
آبی سوچ میں پڑ گئی کہ یہ کتنے ذمہ دار لوگ ہیں جو اس کے باپ تک کی پریشانی کا دھیان رکھتے ہیں۔ ابا نے کل جس طرح آناً فاناً اسے گھر سے نکالا تھا اس کا ذہن اب تک اس بات کو قبول نہیں کر سکا تھا کہ محض ایک دن میں وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی اور کہاں سے کہاں آ گئی تھی۔ اسے سجاول سمیت اس کے کسی بھی دوست سے کوئی ہمدردی نہیں تھی کہ اس کی اس حالت کے وہ سب ذمہ دار تھے۔ اس کی اچھی بھلی زندگی کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا انہوں نے اور وہ مہک.....! نہ صرف اس کی وجہ سے وہ دربدر ہوئی تھی بلکہ اب اس کے باپ نے آبی کے ابا کی زندگی بھی مشکل کر دی تھی۔ اسے ابا اور اپنے بہن بھائیوں کی بہت فکر تھی جو وہاں اس کی وجہ سے مشکل میں آ گئے تھے اور وہ خود یہاں انجان لوگوں کے بیچ ایک جھوٹی پہچان کے ساتھ رہ رہی تھی۔ بے شک یہ سب لوگ بہت اچھے اور کشادہ ذہن تھے مگر سچ تو نہیں جانتے تھے نا اور وہ خود کب اس سچ کو یاد رکھنا چاہتی تھی۔ اسے تو بس ابا کے اگلے قدم کا انتظار تھا جب وہ یہاں سے آزاد ہو جاتی۔

☆☆☆

اگلی صبح ابا ناشتا بنا رہے تھے جب دروازے پر دستک ہوئی۔ فری اور بلال کو اسکول کے لیے اٹھانا تھا اور ان کے سوالوں کے جواب بھی دینے تھے۔ ابا چائے کا چولہا ہلکا کرتے ہوئے باہر آ گئے۔
"آبدار کا کچھ پتا چلا؟" برابر والی رشیدہ آپا تھیں۔ وہ واحد لوگ تھے جو ابا پر سوال اٹھانے کے بجائے مدد کر رہے تھے۔
"نہیں آپا! اس کی ایک سہیلی بھی غائب ہے کل اسی کے والد آئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ پولیس میں رپورٹ کروائیں گے۔" ابا نے اتنا ہی بتایا جتنا انہوں نے سوچ رکھا تھا۔
"طلعت میاں میں کہتی ہوں عدن کو بلا لو۔ اس کا میاں بھلا آدمی ہے تمہارا سہارا بن جائے گا۔ اس عمر میں تم اکیلے کہاں بھاگ دوڑ کرو گے۔ اللہ بس آبی کی حفاظت فرمائے۔ ہماری بچی محفوظ ہو۔" رشیدہ آپا نے اپنے تئیں مشورہ دیا تھا مگر ابا کو اس سے ایک دوسرا راستہ مل گیا تھا۔
"جی آپا! کرتا ہوں اسے فون۔"
ابا! سر ہلاتے اندر آ گئے۔
"ابا آپا آئیں؟" فری آنکھیں ملتی اٹھ کر آ گئی تھی۔
"آ جائے گی بیٹا۔ تم کسی سے اس کا ذکر مت کرنا۔ وہ ٹھیک ہے۔ کوئی کچھ بھی کہے جواب نہ دینا۔" ابا نے اسے ساتھ لگا کر سمجھایا۔
"جی ابا۔"
فری سمجھ دار تھی۔ آگے سے سوال نہ کیا۔
"جاؤ بلال کو بھی اٹھاؤ اور اسکول جانے کی تیاری کرو۔ اب تم بڑی بہن ہو اس کی۔ جب تک آبی نہیں آتی تمہیں سب سنبھالنا ہے۔" ابا کے سمجھانے پر وہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

بچوں کو اسکول چھوڑ کر ابا گھر نہیں گئے تھے۔ دکان کھول نہیں سکتے تھے ورنہ لوگ انہیں پھر پریشان کرنے آجاتے۔ کچھ ضروری کام نمٹا کر وہ اپنے محلے سے دور ایک پارک میں آکر بیٹھ گئے اور اپنی جیب سے اپنا سیکنڈ ہینڈ بٹن والا چھوٹا سا موبائل نکالا جس سے وہ صرف عدن کو ہی فون کرتے تھے مگر آج انہیں کسی اور کے لیے بھی اس کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ جیب سے ایک چھوٹا پرچا نکالا جس پر سجاول کا نمبر درج تھا جو انہوں نے جاتے وقت سجاول سے لکھوالیا تھا۔ نکاح نامے پر اس کے گھر کا پتا بھی درج تھا جو اندرون سندھ کے کسی گاؤں کا تھا۔ انہیں یوں بھی اس پر بھروسا ہو گیا تھا کہ اس نے یہ نکاح پوری ایمان داری سے کیا تھا چاہے عارضی طور پر ہی سہی۔ اس کا نمبر ملا کر وہ ایک قدرے چھاؤں والی جگہ پر بیٹھ گئے۔

"السلام علیکم!"

"مجھے سجاول سے بات کرنی ہے۔" اس کے فون اٹھاتے ہی ابا نے ڈھیروں دعائیں مانگتے ہوئے کہا۔

"جی فرمایئے؟"

سجاول کا رسمی لہجہ خاصا تہذیب یافتہ تھا۔

"طلعت سبحانی بات کر رہا ہوں۔ تم لوگ پہنچ گئے ساتھ خیریت سے؟"

سجاول چونکا۔ "جی؟ جی جی پہنچ گئے۔ وہاں سب ٹھیک ہے؟" سجاول نے پہچان کا مرحلہ طے کرتے ہوئے جواب دیا۔

"فی الحال تو خاموشی ہے۔ آبی ٹھیک ہے؟ کیا میری بات ہو سکتی ہے؟" ابا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"وہ ٹھیک ہیں۔ ابھی میری فیملی کے ساتھ ہیں۔" سجاول نے اردگرد دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ہو سکے تو میری بات کروا دینا۔ اور مجھ سے رابطے میں رہنا۔"

ابا کا لہجہ بھرا گیا۔

"جی ضرور۔ آپ بے فکر رہیے۔ اللہ حافظ"

سجاول نے ان کا نم لہجہ محسوس کر کے تسلی دی اور فون رکھ دیا۔

ابا کی بے چینی کو کچھ ذرا قرار ملا تھا۔

☆☆☆

آبدار ناشتا کر کے سو گئی تھی۔ سرِ شام اس کی آنکھ کھلی وہ بال سمیٹتی دوپٹا اوڑھ کر باہر آگئی۔ عقبی برآمدے میں دھانی اور نایا بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ سالن بھوننے کی خوشبو سارے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔

"ادی! آپ اٹھ گئیں؟" آبی کو آتا دیکھ کر دھانی مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ آبی جھجکتی ہوئی وہیں چلی آئی۔

"نیند اچھی آئی ادی؟" نایا ہتھیلی کے پیالے میں چہرہ ٹکا کر آبدار کو پرشوق نگاہوں سے تکنے لگی۔ آبدار نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بہت سکون والی نیند آئی۔"

"ادی! آپ بیٹھو میں چائے لاتی ہوں آپ کے لیے۔"

دھانی اپنی کرسی اسے پیش کرتے ہوئے چلی گئی۔ آبدار مشکور ہوتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"ادی آپ پڑھتی ہو؟"

نایا کا سوال نامہ شروع ہو گیا تھا۔

"ہاں۔ پڑھتی تھی۔ اب سالانہ امتحان ہو گئے۔" آبی نے سادگی سے جواب دیا۔

"تم پڑھتی ہو؟" اس نے نایا کا سراپا جانچتے ہوئے پوچھا۔ وہ بمشکل میٹرک کی طالبہ لگتی تھی۔ گوری چٹی سبز آنکھوں والی نایا یہاں بالکل الگ چمک رہی تھی۔

"اب نہیں پڑھتی۔ کچھ سال پہلے دھانی اور میں نے میٹرک کیا تھا بس پھر۔" اس نے منہ لٹکا کر جواب دیا۔

"اوہ۔ پھر آگے کیوں نہیں پڑھا؟" آبی کو دلچسپی ہوئی۔

"ادی! گاؤں میں لڑکیوں کو زیادہ نہیں

پڑھاتے۔ پھر خاندان میں شادی نہیں ہوتی۔" اس نے آواز دھیمی کر کے کہا۔

"ایسا کیوں بھئی؟" آبی چونکی۔

"کیونکہ ہمارے لڑکے بھی زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اس لیے کسی کو بھی پڑھی لکھی بیوی نہیں چاہیے ہوتی۔"

نایا کی بات پر آبی کے ذہن میں نجانے کیوں سجاول کا چہرہ آگیا اور نکاح کی بات پر اس کا ردعمل بھی یاد آیا۔ ظاہر ہے اس اجڈ کو بھی پڑھی لکھی بیوی نہیں چاہیے ہوگی۔

"ادی! آپ بجی کے ساتھ پڑھتی ہو؟" نایا نے اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر پھر کہا تھا۔ آبدار نے آنکھیں سکیڑیں۔

"نہیں نہیں میں تو کالج میں پڑھتی تھی۔ ان کا مجھے نہیں پتا۔" اسے واقعی نہیں پتا تھا کہ سجاول کہیں پڑھتا بھی تھا یا بس لوگوں کی خفیہ شادیاں ہی کرواتا تھا۔

"لو ادی چائے پیو۔" جب ہی دھانی لوٹ آئی۔ آبی نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ سبز رنگ کے کڑھائی والے سوٹ میں اس کی کھلتی ہوئی گندمی رنگت بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک مخصوص بھول پن تھا جو اسے سادہ مزاج ظاہر کرتا تھا۔ بالکل ایسا ہی چہرہ سانول کا بھی تھا۔ ان دونوں کے خدوخال میں بھی بہت مماثلت تھی۔ ان دونوں کی نسبت سجاول کے چہرے پر ایک ایسا تاثر تھا جو اسے مکمل دیہاتی ظاہر نہیں کرتا تھا۔ شاید شہر میں کچھ عرصہ رہنے کی وجہ سے وہ چالاک ہوگیا تھا۔ آبی چائے پیتے ہوئے ان دونوں سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتی رہی۔ نایا دھانی کے چچا کی بیٹی تھی۔ نایا کی امی کا تعلق گلگت سے تھا جب ہی نایا کے نین نقش ایسے تھے۔ اس کے والدین کی بھی پسند کی شادی تھی جو بہ حسن وخوبی نبھ رہی تھی۔

گلا کھنکارنے کی آواز پر وہ تینوں چونکیں۔ سجاول سیڑھیوں پر کھڑا تھا۔

"آپ کے ابا کا فون ہے۔ بات کرلیں۔" اس نے براہ راست آبدار کو مخاطب کیا۔

"ابا۔!" آبی چائے کا کپ رکھتی تیر کی سی تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔

دھانی اور نایا نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ سجاول سینے پر ہاتھ باندھے اسے اوپر آتا دیکھتا رہا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر چھوٹا سا ٹیرس تھا جس کے ساتھ سجاول کا کمرا اور ایک بیٹھک تھی۔ آبی ٹیرس پر رک گئی۔ دور تک پھیلے کھیتوں کے اس پار نارنجی سورج پگھل رہا تھا۔ محسوس کن کھیتوں کی مہک نم ہوا کے ساتھ مل کر اس کی سانسیں مہکانے لگی۔ وہ آنکھیں بند کیے گہرے سانس کھینچنے لگی۔ کتنا سکون تھا ان فضاؤں میں۔ سجاول جو کمرے سے موبائل لینے گیا تھا۔ اسے یوں مدہوشی سے کھڑا دیکھ کر دھیما سا مسکرایا۔ شہری لوگوں کی یہ کیفیت ان گاؤں والوں کے لیے نئی نہیں تھی۔ وہ بدستور اسے دیکھتا ہوا دبے پاؤں اس کے روبرو آکر کھڑا ہوگیا۔ آبی نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں تو سجاول کو بڑی فرصت سے خود کو تکتے پایا۔ ایک شریر لٹ ہوا کے ساتھ دوستی گانٹھے اس کے آنچل کی حدود سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سجاول نے بہت گہری نظر سے اس لٹ کی بے باکیاں نوٹ کیں۔

"فون۔"

نظریں اس کے چہرے پر جمائے سجاول نے فون اس کی طرف بڑھایا۔ آبی نے بہت شدت سے اس کی گہری نظروں کو محسوس کیا تھا۔ ہاتھ بے ساختہ دوپٹے کے کونے کو پکڑنے لگے۔

"میرے سامنے اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ نکاح میں ہیں آپ میرے۔" ایک پل میں لہجہ بدل کر اس نے نگاہ پھیری۔ چہرے پر بیزاریت اور غصہ جھلکنے لگا تھا۔ آبی اس کے بدلے انداز پر الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"... یہاں نکاح کا کیا ذکر؟" اس کی زبان سے

پھسلا۔ سجاول نے ابرو اچکا کر اسے ترچھی نگاہ سے دیکھا۔

"آپ کو یہاں نامعلوم مدت کے لیے رہنا ہے۔ ہر وقت آپ ان الجھنوں کو افورڈ نہیں کر سکتیں۔ اپنا گھر سمجھ کر رہ سکیں اسی لیے آپ کے ابا نے یہ نکاح کیا تھا۔ اب سمجھ میں آیا؟"

انداز سمجھانے سے زیادہ طنزیہ تھا۔ آبی کو برا محسوس ہوا۔ اچانک امنڈنے والے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلنے کی خاطر اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر دوبارہ کھیتوں کو دیکھا۔ سجاول اس کی کیفیت سمجھ گیا۔

"یہ کال لاگ میں سب سے اوپر آپ کے ابا کا نمبر ہے۔ آرام سے بات کرلیں۔" اسے ہدایات دیتا ہوا وہ خود نیچے چلا گیا۔

آبی نے اس کی چوڑی پشت اور لہراتے بالوں کو ایک پل گھوم کر دیکھا اور پرسکون ہو کر ابا کا نمبر ملانے لگی۔

"ہیلو ابا۔؟" لائن ملتے ہی اس نے بے چینی سے پکارا۔

"آبی۔؟ کیسی ہو؟" ابا بھی بے تاب ہوئے۔

"ٹھیک ہوں ابا۔ جی یہاں سب بہت اچھے ہیں۔ بہت کھلے دل کے۔ جی بہت آرام سے ہوں۔ آپ کیسے ہیں اور فری بلال؟ میرا پوچھ رہے ہوں گے؟" اس نے جو محسوس کیا۔ وہ بتا دیا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ فری کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ نہیں دکان کیسے کھولتا۔ بس کل فری بلال کا آخری پرچا ہو جائے پھر عدن سے بات کروں گا۔ تم یہ بتاؤ سجاول نے تمہارا کیا تعارف کروایا اپنی فیملی سے؟"

ابا کو اس بات کی بہت فکر تھی۔ جواباً آبی نے ساری کہانی ان کو سنا دی۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ یہی بہتر ہے۔ ظاہر ہے وہ گاؤں کے لوگ ہیں۔ اچانک ایسی بات سنتے تو پریشان ہو جاتے۔ مردوں کو بھی بہت سی باتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔" ابا کو سجاول کی کسی بات پر اعتراض نہیں تھا۔ آبی کو اس کا تازہ رویہ نہیں بھولا تھا۔ منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔

"ٹھیک ہے آبی! تم سے بات کر کے میں پرسکون ہو گیا۔ میں نے سجاول سے کہا ہے کہ مجھ سے رابطے میں رہے۔ کوئی اور بات ہو تو مجھے فون کرنا بیٹا۔ اچھا اللہ حافظ!"

ابا نے فون رکھا تو آبی کو خود بخود رونا آنے لگا۔ کچھ پل خود کو سنبھالتی ہوئی وہ نیچے آ گئی۔ سجاول بڑے کمرے میں سب کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ آبی نے چپ چاپ فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

"بات ہو گئی باپ سے بچہ؟" بابا سائیں نے خوش دلی سے پوچھا۔

"جی۔" آبی کے چہرے پر اداسی کے سائے تھے۔ سجاول کی پوری توجہ چائے پر تھی۔

"اور کوئی تکلیف یہاں بیٹا؟"

بابا سائیں نے جیسے اس کا چہرہ پڑھ لیا۔ آبی فوراً سنبھلی۔

"نہیں انکل! مجھے کوئی تکلیف نہیں۔" اس نے مسکرا کر تسلی کرانی چاہی۔

"بچہ، مجھے تکلیف ہے۔ یہ انکل وکل ہم دیہاتی لوگوں میں چلتا نہیں۔ آپ مجھے بابا سائیں ہی بولو۔"

آبی نے نظر اٹھا کر ان کو دیکھا۔ لمبے کرتے پر تہبند باندھے۔ سر پر سندھی ٹوپی پہنے۔ چہرے پر مخصوص سندھی انداز کی ڈاڑھی سجائے وہ بابا سائیں تو لگتے تھے انکل نہیں۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جی بہتر۔"

سجاول نے حیران ہو کر اس کی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔ جب ہی آبدار کی نظر بھی اس سے ملی تو مسکراہٹ پل میں سمٹ گئی تھی۔

"میں آتی ہوں۔" بہانہ کر کے وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئی۔

"کسی بہت اچھے گھر کی بچی لگتی ہے۔ شجاع تو

ایسا نہیں تھا۔" بابا سائیں نے اپنی رائے دی۔
سجاول بنا کوئی جواب دیے موبائل پر مصروف ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اس رات سجاول کا سارا ددھیال آبی سے ملنے آیا۔ اس کے تین چچا اور ایک پھپھو ان کے بچے۔ آبی کو لگا پورا گاؤں انہی لوگوں پر مشتمل تھا۔ سب کے سب خوش اخلاق اور مہمان نواز۔ اتنی عزت اور پروٹوکول تو اسے پوری زندگی نہیں ملا تھا۔ سب نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد سارے بڑے باہر صحن میں بیٹھے تھے تو سارے لڑکے اوپر چھت پر۔ جبکہ ساری لڑکیاں آبی کو گھیرے عقبی برآمدے میں محفل سجائے بیٹھی تھیں۔ وہ فطرتاً کم گو تھی مگر ان سب کے حسن اخلاق کے آگے مجبور ہو گئی تھی۔ اپنی لگی بندھی زندگی سے ہٹ کر یہ سرگرمی اسے خوشی بھی دے رہی تھی اور حیرانی بھی۔

"ادی! کیا شہر میں لوگ ساری رات جاگتے ہیں؟"

سورٹھ جو سجاول کے دوسرے چچا کی بیٹی تھی۔ آنکھوں میں شوق بھرے آبی سے پوچھنے لگی۔ یہ دھائی کی دیکھا دیکھی وہ سب اسے ادی ہی کہہ رہی تھیں۔ آبی مسکرا دی۔ ان سب کو شہری زندگی کوئی سہانا خواب لگتی تھی۔

"تم لوگ کتنے بجے سوتے ہو؟" اس نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"ہم تو ادی! عشاء پڑھ کر سو جاتے ہیں۔ سویرے اٹھنا ہوتا ہے۔" جواب ماروی کی طرف سے آیا جو سجاول کی پھپھی زاد تھی۔ وہ سب کی سب آبی سے چھوٹی یا اس کی ہم عمر ہی تھیں۔ اس کے جواب پر آبی کو اس پر ترس آیا۔

"پھر تو واقعی شہر میں سب پوری رات جاگتے ہیں۔" اس نے اپنی بات کا مزا لیا۔

"تو آپ لوگ سویرے نہیں اٹھتے؟" تایا نے حیران ہو کر دیکھا۔

"ایسا نہیں ہے۔ صبح تو سب کو اٹھنا ہوتا ہے مگر عادت ہو جاتی ہے اس روٹین کی۔"

وہ خود رات دیر تک پڑھتی تھی۔ کبھی کورس کی یا کبھی شوقیہ کتابیں۔ عدن کی موجودگی میں تو اسے رات کی خاموشی میں عجیب عجیب کہانیاں سوجھتی تھیں مگر عدن کے جانے کے بعد یہ سب ختم ہو کر بس کتابیں پڑھنے تک محدود ہو گیا تھا۔

"ادی! آپ کے گھر میں کون کون ہے؟"

اب وہ سب اس کا نئے سرے سے انٹرویو لینے لگی تھیں۔ عجیب بات تھی کہ سوائے اپنے اور سجاول کے نکاح کے اس نے یہاں ہر بات ہر ایک کو سچ ہی بتائی تھی۔ یہ اتنے پیارے اور سادہ لوگ تھے کہ ان سے جھوٹ بولنے کا دل ہی نہیں کرتا تھا۔

"تم سب کو سونا نہیں ہے؟ یہ شہری بی بی ہیں اتنی بک بک کی عادی نہیں ہیں۔ بر امان جائیں گی۔ چلو بھاگو اپنے اپنے گھر۔"

وہ سب زور و شور سے باتوں میں مگن تھیں جب سجاول نے سیڑھیوں سے جھانک کر ہانک لگائی۔ گفتگو کا تسلسل ٹوٹا اور اک پل کو خاموشی چھائی۔ سجاول کے اکھڑ انداز سے وہ سب گھبرائی تھیں۔ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔ آبی کو اس پر شام سے غصہ تھا۔ اور اب پھر اس کی مداخلت۔!

"اپنی اپنی سوچ کا فرق ہے۔ شہری یا دیہاتی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ دیہاتی لوگ بھی بدمزاج ہوتے ہیں۔"

ٹکا کر جواب دیتی وہ سجاول کو چونکا گئی۔ وہ سب خوف زدہ ہو کر چور نظروں سے سجاول کو دیکھنے لگیں۔ بھلا ادا سجاول کو کون ایسا جواب دے سکتا تھا! خلاف عادت سجاول نے کندھے اچکائے اور واپس مڑ گیا۔

"تو یہ طے ہے مس آبدار سجانی، کہ آپ غصہ ضبط کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

ایک بے اختیار مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو

چھوا۔ وہ واقعی اس خیال سے آیا تھا کہ آبی مردنا ان سب کو برداشت نہ کر رہی ہو۔

ادھر وہ سب آبی کے جواب پر حیران تھیں۔ شہری لوگ واقعی بڑے نڈر ہوتے ہیں۔

☆☆☆

گاؤں کی محبتیں بڑی سہانی تھیں۔ جو نظارے آبی نے دوران سفر بس کی کھڑکی سے دیکھے تھے وہ اب نظروں کے بالکل سامنے آس پاس موجود تھے۔ صبح صبح دیسی گھی کی مہک سے اس کی آنکھ کھلی۔ آٹھ بجے کا وقت تھا اور اس کے برابر جگہ خالی تھی۔ وہ دھانی کا روم شیئر کر رہی تھی۔ حالانکہ کل وہ اس کی وجہ سے اپنے معمول سے ہٹ کر دیر تک سوئی تھی مگر پھر بھی صبح اپنے وقت پر اٹھ گئی تھی۔ آبی جلدی جلدی فریش ہو کر باہر آ گئی۔ کچن تک اس کے قدم خود بخود اٹھ گئے تھے۔ صاف ستھرا وسیع کچن بہت اور جدید اسٹائل کا نیا بنا ہوا تھا۔ گویا گاؤں میں بھی ہر سہولت موجود تھی۔

دھانی بڑے سے لوہے کے توے پر خستہ پراٹھے سینک رہی تھی۔ اماں پراٹھے بیلنے کے ساتھ ساتھ گرما گرم بھنا ہوا ہری مرچ قیمہ پلیٹوں میں نکال رہی تھیں۔ کچن کا ایک حصہ باہیں طرف سے وسیع تھا جہاں چار کرسی والی ڈائننگ ٹیبل پڑی تھی جس پر سجاول بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ آبی کو اس کی موجودگی کا علم ہوتا تو بھول کر بھی نہ پلٹتی مگر اب وہ کافی زیادہ اندر آ چکی تھی اور دھانی اور اماں کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔

"آؤ آؤ ادی، ناشتا کرو۔" دھانی کی پکار پر اماں سائیں نے ایک خیر مقدمی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

"نیند بھلی آئی بیٹا؟" وہ اس کے قریب آ کر پوچھنے لگیں۔

آبی اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

اماں اس کا ہاتھ پکڑ کر میز تک لے آئیں۔ سجاول ہاتھ روک کے اسی کی سمت متوجہ تھا۔ آبی نے ایک پل اسے دیکھ کر نگاہ جھکا لی۔ وہ صاف ستھرا شلوار قمیص پہنے کہیں جانے کو تیار تھا۔ آبی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اماں سائیں نے قیمے کی پلیٹ اور گرم پراٹھا اس کے آگے رکھا۔ آبی ایک پل کو سوچ میں ڈوب گئی۔ عرصہ ہوا ایسی عیاشیاں ان کے نصیب سے اٹھ چکی تھیں۔ ابا کی دکان سے بمشکل دال روٹی چلتی تھی۔ گوشت یا تو مہینے میں ایک دو بار پکتا تھا یا بقرہ عید پر جب محلے سے کوئی بھیج دیتا۔ وہ بھی شوربے والا سالن جو دو وقت پورا ہو سکے۔ قیمہ کڑھائی قورمہ بریانی تو ہماری پائے۔۔۔ ابا کے کاروبار کے ساتھ ہی خواب ہوئے تھے۔ فروٹ بھی کبھار ہی آتا۔ ایک بہت اچھی زندگی گزارنے کے بعد ان برے حالات نے بہر حال ان سب کا دماغ خراب نہیں کیا تھا اور یہ سب امی کی اچھی تربیت کا نتیجہ تھا۔ وہ کہتی تھیں کہ اللہ نے اچھا برا وقت سب کے نصیب میں لکھا ہے۔ کسی کو خوشی پہلے ملتی ہے اور بعد میں غم اور کسی کو غم پہلے ملتا ہے بعد میں خوشی۔ تو اللہ کی تقسیم پر ناراض نہ ہونا اور نہ شکوہ کرنا کہ جس نے برا وقت دکھایا اچھا بھی وہی دکھائے گا۔

آبی نے امی کی باتیں یاد کر کے ایک بار پھر اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ بے شک ایک غیر معمولی و غیر متوقع صورت حال کا شکار تھی مگر کسی پریشانی یا تکلیف میں نہیں تھی اور یہ نعمتیں۔ یہ بھی تو اللہ ہی کی دین تھیں۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر نوالہ توڑا۔ سجاول اسے بہت دیر سے سوچ میں ڈوبا محسوس کر رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر ماضی کی گلیوں میں بھٹک رہی تھی۔

"اور کب تک مہمان بنے رہنے کا ارادہ ہے؟"

اماں سائیں کے ادھر ادھر ہوتے ہی وہ اس کی سمت جھکا۔ نوالہ منہ تک لے جاتا آبی کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ نظر اٹھا کر اس اڑیل کو دیکھا۔ گہری گہری آنکھیں اسے اندر تک پڑھ رہی تھیں۔

"مطلب؟" وہ اپنی ہر سوچ سے پیچھا چھڑاتی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مطلب یہ لوگ آپ کو چند دن کا مہمان سمجھ کر

خاطریں کررہے ہیں۔ آپ کو تو پتا ہے نا کہ آپ مہمان نہیں ہیں۔ اس لیے اب گھروالوں کی طرح رہنا شروع کریں۔ کب تک میری اماں آپ کے آگے پلیٹیں سجاتی رہیں گی۔"

اس نے صاف صاف اسے کام چور کہا تھا۔ آپی کی آنکھیں بھر آئیں۔ نوالہ واپس رکھ کر وہ کھڑی ہوگئی۔

"کیا ہوا بچے، ناشتا کیوں نہیں کیا؟" اماں سائیں دوسرا پراٹھا لے کر آئیں تو اسے ناشتا چھوڑ کر جاتے دیکھا۔

"بس بھوک نہیں ہے آنٹی۔"

اس نے بمشکل لہجے پر قابو پایا۔

سجاول نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

"بچی! تو بول اسے۔ کیا کوئی بات ہوگئی بیٹا؟ گھر یاد آرہا ہے؟" اماں سائیں پریشان سی ہوگئیں۔

سجاول نے اطمینان سے کپ رکھا اور اسے بے نیازی سے دیکھا۔

"کھالیجیے ورنہ آپ کے ابا کو لگے گا کہ ہم نے آپ کا خیال نہیں رکھا۔"

آپی کا دل کیا پلیٹ اٹھا کر اس کے سر پر مار دے۔ خود ہی اس کا کھانا حرام کرکے اب بیبا بنا بیٹھا تھا۔ میرے چار نوالے بھاری پڑ گئے اجڈ کو۔

"نہیں آنٹی! سب ٹھیک ہے بس بیٹھی رہتی ہوں تو زیادہ بھوک نہیں لگتی۔ مجھے اتنے آرام کی عادت نہیں ہے۔"

وہ مسلسل خود پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی جبکہ آنسو اسے رسوا کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ کم از کم اس وقت سجاول کے سامنے وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" اماں سائیں خاموش سی ہوگئیں۔

"ارے اماں سائیں! بی بی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ شہر میں زندگی بڑی مصروف ہوتی ہے اور وہاں یہ خالص غذائیں نہیں ملتیں نہ ہی شہری لوگ انہیں آسانی سے ہضم کرپاتے ہیں۔ آپ انہیں کوئی چھوٹا موٹا کام دے دیں پھر دیکھیں تینوں ٹائم بھوک لگے گی ان کو۔"

سجاول کا وہی انداز گفتگو تھا جس سے آپی بے آرام ہوجاتی تھی۔ ایک ہتک کا احساس اسے اچانک اجنبیت بخشنے لگا۔

"پاگل ہوا ہے۔ تو نے ایسی بات سوچی بھی کیسے اب ہم اتنا گر گئے کہ مہمان سے کام کروائیں گے؟" اماں سائیں نے برہم ہوکر سجاول کو گھر کا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں آنٹی۔ میں خود بھی یہی کہنے والی تھی۔ پتا نہیں کب تک بوجھ بنی رہوں گی آپ سب پر۔ آپ مجھے گھر کے کام کرنے دیں۔" آپی نے بالآخر اپنے جذبات پر قابو پاکر مضبوط لہجے میں کہہ ڈالا۔

اماں سائیں نے ایک نظر اس کا چہرہ جانچا پھر جیسے اسے ٹالنے کو بولیں۔

"اچھا چل جب کی جب دیکھی جائے گی ابھی تو روٹی کھا نا دھی۔" وہ اس کی پیٹھ سہلانے لگیں۔

سجاول کو دیر ہورہی تھی۔ وہ اپنا موبائل اٹھاتا۔ ایک بھرپور نظر اس پر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔ آپی اس کے جاتے ہی پرسکون ہوگئی مگر یہ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ یہاں بیٹھ کر نہیں کھائے گی۔

☆☆☆

ایک بار پھر دروازہ زور و شور سے بج رہا تھا۔ ابا دو گھنٹے پہلے فری اور بلال کو رشیدہ آپا کے شوہر عثمان بھائی کے ہمراہ حیدرآباد جانے والی کوچ میں بٹھا کر آئے تھے۔ وہاں سے عدن کے شوہر ناصر نے ان کو اپنے گھر لے جانا تھا۔ عدن کو بس یہی کہا تھا کہ بچوں کے سالانہ امتحان ہوگئے ہیں اور وہ اس کے پاس جانے کی ضد کررہے ہیں۔ آپی کی بابت ابا نے اسے تاحال لاعلم ہی رکھا تھا۔ وہ اس کی زندگی تنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اب وہ یہاں تنہا رہ کر حالات کا مقابلہ کرسکتے تھے۔ اب بھی کسی حساب کتاب میں

مصروف تھے جب دروازہ بڑے بے ہنگم انداز میں دھڑ دھڑایا گیا۔ ابا درود شریف کا ورد کرتے چوکھٹ تک آئے۔

"آپ۔؟"

مہک کے ابو ایک پولیس افسر کے ساتھ ان کے دروازے پر کھڑے تھے۔

"جی ہم۔ آپ کو کیا لگا بیٹی کو فرار کرا کے سکون سے رہ لیں گے؟ شرافت سے بتاؤ بڑے میاں کہاں ہے تمہاری بیٹی اور بیٹا؟"

ان دونوں نے جس طرح بات شروع کی۔ ابا ایک پل کو لرز گئے کہ کہیں انہیں آبی کے واقعی فرار ہونے کا علم تو نہیں ہو گیا مگر جلد انہوں نے خود پر قابو پالیا۔

"دیکھیے انسپکٹر صاحب۔ میں پہلے دن سے ان سے ایک ہی بات کہہ رہا ہوں کہ میرا کوئی جوان بیٹا نہیں اور میری بیٹی خود لاپتا ہے۔ میں بے حد پریشان ہوں مگر یہ مسلسل مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔" ابا نے نہایت ادب اور عاجزی سے مدعا بیان کیا۔ انسپکٹر جعفر مہک کے ابو کا واقف کار تھا اور انہی کی بتائی کہانی سن کر یہاں آیا تھا مگر اس سفید پوش شخص کا چہرہ اور اطوار اسے کوئی اور کہانی سنا رہے تھے۔

"محترم! اگر آپ کی بیٹی بھی غائب ہے تو دو دن سے کس انتظار میں بیٹھے ہیں؟ رپورٹ کیوں نہیں کروائی؟" اس کا سوال حسب توقع تھا۔

"میں غریب آدمی ہوں۔ تھانے کچہری نہیں بھگتا سکتا۔ بیٹیوں کی گم شدگی کو زمانہ کس نظر سے دیکھتا ہے اور پولیس اس ضمن میں کیسے عزتیں اچھالتی ہے۔ یہ مجھ سے بہتر آپ جانتے ہیں۔ بس اسی لیے خاموش بیٹھ کر اپنے رب سے فریاد کناں ہوں۔"

انسپکٹر جعفر کو ابا کی فصیح بیانی نے بڑا متاثر کیا۔ ان کی شخصیت خاندانی وقار کو ظاہر کرتی تھی۔ اسے ایک پل لگا ان کی بے گناہی سمجھنے میں۔

"ٹھیک ہے بزرگوار میں آپ کی بات مان لیتا ہوں مگر انیس صاحب کا کہنا ہے کہ آخری بار ان کی بیٹی آپ کی بیٹی کے ساتھ دیکھی گئی اور دونوں ساتھ ایک گاڑی میں کسی لڑکے کے ساتھ فرار ہوئیں۔ اس حوالے سے ہمیں تفتیش کرنی پڑے گی اور ظاہر ہے آپ کی بیٹی کی معلومات آپ سے ہی مل سکیں گی۔ آپ کے پاس اس کی کوئی تصویر ہے تو لا دیں۔"

"میری بیٹی پردہ کرتی ہے لہٰذا تصویر کوئی نہیں اسکی۔ باقی جو معلومات چاہیں لے لیں اور تسلی نہ ہو تو اس کے کالج جا کر پتا کر لیں۔ میں نے اپنی بیٹیوں کی تربیت میں کوئی جھول نہیں چھوڑا۔" آخری جملہ ابا نے براہ راست مہک کے ابو کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ایک پل کو ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"چلو جعفر۔ اب پکے ثبوت کے ساتھ ہی آئیں گے۔"

وہ ایک بار پھر منہ کی کھا کر گئے تھے۔ ابا نے اطمینان سے دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

"میں پوچھتی ہوں یہ کیا گورکھ دھندہ ہے؟ پندرہ دن بعد شادی ہے اور لڑکی غائب ہو گئی؟"

علی کے گھر میں پچھلے تین دن سے یہی ماحول تھا۔ گھر میں شادی کی تیاری مکمل تھی۔ کارڈ بٹ رہے تھے اور یہاں دلہن غائب ہو گئی تھی۔ مہک کے ابو نے یہاں بھی سارا ملبہ آبدار اور سجاول کے سر ڈال دیا تھا جو ان کی معصوم بیٹی کو بھگا کر لے گئے تھے۔ مگر ہر کوئی اتنا اندھا نہیں ہوتا جتنا وہ سمجھ رہے تھے۔ علی کی امی جو مہک کی ممانی تھیں۔ انہیں یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ مہک جیسی تیز لڑکی کو کوئی بھی یوں گاڑی میں بٹھا کر لے گیا اور اس نے احتجاج تک نہ کیا۔ وہ تو اکیلی کوچ میں سوار ہو کر اپنے ددھیال چلی جاتی تھی۔ بازاروں میں گھنٹوں گھوم لیتی تھی پھر یہاں کیا ہوا تھا؟

"علی! تم کہو۔ وہ دوسری لڑکی کیسی تھی!" اب وہ پھر علی سے پوچھ گچھ کر رہی تھیں۔

علی کا اپنا دماغ سوچ سوچ کر تھک گیا تھا۔

پہلے دن کے بعد جس طرح انیس پھوپھا نے اسے تفتیش سے دور کیا تھا۔ یہ بات اسے بری طرح کھٹک رہی تھی۔

"امی! اس نے نقاب کیا ہوا تھا اور میں نے تو اس کی آواز تک نہیں سنی۔ مہک نے ہی کہا جو کچھ کہا۔" اس نے بیزاریت سے جواب دیا۔

"لو سن لو۔ انیس صاحب تو کہہ رہے تھے کہ اس لڑکی نے کہا یہ سب؟" وہ دس بار کی بتائی بات دوبارہ دہرا رہی تھیں۔ علی کے ابو بھی سامنے خاموش بیٹھے تھے۔ انہیں رشتہ داروں سے یہ بات چھپانے کی فکر نے ہلکان کر رکھا تھا۔

"میں تو صاف کہتی ہوں میاں بھاگ گئی تمہاری دلہن۔ میں نے پہلے بھی تمہارے ابو سے کہا تھا کہ لڑکی خوش نہیں تھی منگنی پر بھی۔"

انہوں نے کسی سے جواب نہ پا کر پھر اپنی کہی مگر اس بار یہ بات علی کے دل کو لگ گئی۔ رہ رہ کر اسے ہر وہ بات یاد آئی جو مہک کی اس رشتے سے لاتعلقی کو ظاہر کرتی تھی۔ وہ موبائل ہونے کے باوجود کبھی علی سے فون پر بات کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی نہ کبھی آؤٹنگ پر گئی۔ حالانکہ اکیلی وہ سارے جہاں میں گھومتی تھی۔ اس کی آمد پر ہمیشہ اس کی بہن فضہ مہک کی غیر موجودگی کا بہانہ کر کے اسے ٹرخا دیتی تھی۔ اس نے ہمیشہ ان باتوں کو اس کی فطری جھجک اور شرم پر محمول کیا اور کچھ محسوس نہ کیا مگر آج احساس ہو رہا تھا کہ یہ شرم نہیں لاتعلقی تھی۔ اس کی سوچ کا دھارا تبدیل ہو کر مہک کو ہی قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔

☆☆☆

اس دن فجر کے بعد اس کی آنکھ نہیں لگی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس گھر کے مکینوں کی روٹین کے مطابق ڈھلتی جا رہی تھی۔ دھانی فجر پڑھ کر حسب معمول صحن میں نکل آئی تھی۔ آبدار بھی اس کی تقلید میں وہیں نکل آئی۔

"کیا کر رہی ہو دھانی؟" اس نے صحن میں بچھے تخت پر ٹکتے ہوئے پوچھا۔

"ادی پودوں کو پانی دوں گی پھر ادا سانول اور بابا سائیں زمینوں پر جانے کے لیے تیار ہو جائیں گے تو ان کا ناشتا بناؤں گی۔" وہ مگن سی کہنے لگی۔ آبی کو اس معصوم لڑکی سے انسیت ہوتی جا رہی تھی۔

"اچھا لاؤ پانی میں ڈال دوں گی تم ادا سانول کا ناشتا بنا دو۔"

اس نے سہولت سے کہتے ہوئے پائپ دھانی سے لے لیا۔

"نہ نہ ادی۔ اماں سائیں ناراض ہوں گی۔" وہ ہچکچائی۔

"ارے۔ ادی ہوں نا میں تمہاری؟ میری بات نہیں مانو گی؟ جاؤ شاباش۔ اماں سائیں کو میں بتا دوں گی۔ اب ٹھیک ہے؟" اس نے پیار سے اس کے گال کو چھوا تو دھانی کچھ گھبرائی کچھ شرمائی بچی گئی۔

آبی نے مطمئن سا ہو کر خوب سیر ہو کر پودوں کو پانی دیا اور خود بھی کچن میں چلی آئی۔

دھانی حسب معمول پراٹھوں کی تہہ لگا رہی تھی۔ ایک طرف رات کا سالن گرم ہو رہا تھا۔ آبدار نے بن کہے پراٹھے بیلنے شروع کر دیے۔

"ادی۔؟"

"بس چپ۔ مل کر کریں گے جلدی ہو جائے گا۔ پھر تم مجھے اپنا گاؤں دکھانا۔" اس نے دھانی کی ایک نہ سنی اور اسے باتوں میں لگا کر کام شروع کر دیا۔ جب تک اماں سائیں اپنے وظائف سے فارغ ہو کر آئیں۔ وہ دونوں پورے گھر کا ناشتا بنا کر فارغ ہو چکی تھیں بلکہ آبدار اپنا اور دھانی کا ناشتا ٹیبل پر لگا رہی تھی۔

"آج جلدی اٹھ گئی بیٹا؟" وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئیں۔

"اماں سائیں! ادی نے آج سارا کام میرے ساتھ کرایا۔ میں نے بہت منع بھی کیا پر۔" دھانی نے فوراً وضاحت دی۔

"اماں سائیں! اب آپ اسے مت ڈانٹیے گا۔

میرا اپنا دل تھا۔ تھک گئی بیٹھے بیٹھے۔ وہاں میں اپنا پورا گھر سنبھالتی تھی۔" اس نے بے تکلفی سے کہہ دیا۔

اماں سائیں پہلے اس کے اماں کہنے پر چونکیں پھر مسکرا دیں۔

"یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے بچے۔ بالکل آرام سے رہو۔ تم نے اپنا سمجھ کر دھانی کا ہاتھ بٹایا، مجھے خوشی ہوئی۔" انہوں نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "تم نے مجھے اماں سائیں کہا مجھے اچھا لگا۔"

"آپ بھی مجھے آبی کہیں مجھے اپنا پن لگے گا۔"

اس نے ان کے ہاتھ تھام کر دباؤ ڈالا۔ اماں سائیں نہال ہو گئیں۔ جب ہی بابا سائیں کی پکار پر وہ تینوں کام پر لگ گئیں۔

☆☆☆

اگلے دن اتوار تھا۔ یوں تو یہاں کوئی بھی نوکری پیشہ نہ تھا مگر سوئے اتفاق آج سانول اور سجاول دونوں گھر پر تھے۔ بابا سائیں نے فجر کے بعد ہی کہہ دیا تھا کہ آج آبی کو گاؤں گھمانے لے جانا ہے۔ آبی سے زیادہ دھانی پرجوش تھی۔ اس نے آن کی آن میں سب کو خبر کر دی۔ جب تک وہ دونوں سانول اور سجاول کے ساتھ باہر نکل کر کھیتوں کی طرف پہنچیں پورا قافلہ ان کے ہمراہ ہو گیا تھا۔ لڑکیوں کی دبی دبی ہنسی سن کر سجاول پیچھے مڑا تو اس کی ساری کزنز کا ٹولہ دھانی اور آبدار کے ساتھ تھا۔

"تم لوگوں کو چین نہیں۔" اس نے سر ہلا کر رخ پھیرا۔

"ادا! آج تو نہ ڈانٹیں۔ ادی کیا سوچیں گی۔" ماروی دبے لہجے میں منمنائی۔

"تم اور تمہاری ریڈی میڈ ادی!" سجاول نے جان بوجھ کر با آواز بلند ہانک لگائی۔

آبی نے پیر کے آگے آیا چھوٹا پتھر پنجے سے آگے ہٹ کیا جو سیدھا اس کے آگے چلتے سجاول کی ایڑھی پر لگا۔ اس کی شلوار اونچی تھی۔ پتھر سیدھا کھال پر ضرب لگاتا سائیڈ ہو گیا۔ وہ بے ارادہ رکا تو پیچھے سے اپنی دھن میں آتی آبی سے زور سے ٹکرایا۔ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ سب کے سب آگے پیچھے ٹکراتے رک گئے۔

"بجی! خیر تو ہے؟" سانول سب سے آگے تھا۔

"ہاں ایسا لگا کسی نے موقع دیکھ کر وار کیا ہے۔"

اس نے یہاں وہاں نظر دوڑاتے آخری الفاظ آبی کو دیکھتے ہوئے ادا کیے۔

"کیا کہیں چوٹ لگ گئی ادا؟"

وہ سب پریشان ہو گئیں۔ سجاول نے نظر بچا کر اس کا سرخ آنچل سے ڈھکا سر دیکھا پھر نگاہ پھیر کر آگے چلنے لگا۔

"چوٹ لگے میرے دشمنوں کو۔" مڑے سے کہتا وہ ان سب سے پہلے باغ میں پہنچ گیا تھا۔ سارے باغ میں کیلے اور امرود کی ملی جلی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک جگہ چارپائیاں بچھی تھیں جن کے پاس ٹھنڈے پانی کا کولر رکھا تھا۔ وہ ساری لڑکیاں یہاں وہاں گھومنے لگیں۔ سانول مالی کو دیکھنے اس کے جھونپڑے کی طرف نکل گیا۔ آبی ایک طرف کھڑی دور تک پھیلے باغ کا نظارہ کرنے لگی۔ سجاول چارپائی پر بیٹھ کر کولر سے پانی نکالنے لگا۔

"امرود کھائیں گی؟ سندھ کے امرودوں کا ذائقہ ہی الگ ہوتا ہے۔ یاد کریں گی واپس جا کر۔" آخری جملہ جوش میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

آبی جو اس کی پہلی بات پر سر اٹھا کر امرود کے درخت کو دیکھنے لگی تھی۔ آخری بات پر خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ سجاول کو بھی لمحے میں احساس ہو چکا تھا اپنی بات کا۔ ایک پل خود کو تکتی آبدار کو دیکھنے کے بعد وہ نظر پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"اللہ دتا! پھل اتارو آ کر۔ شہر سے مہمان آئے ہیں۔" وہ خاموش کھڑی آبدار کو چھوڑتا دوسری طرف نکل گیا۔

"اور میں کیوں اس طرح سوچ رہی ہوں۔

ظاہر ہے ایک دن مجھے واپس چلے جانا ہے۔ کیا سوچ رہا ہوگا وہ کہ میں یہاں ہمیشہ رہنے کے خواب دیکھنے لگی ہوں۔" آبی خود کو گھرکتی۔ اپنی کیفیت پر حیران ہوتی آگے بڑھ گئی۔ مگر یہ سچ تھا کہ اک نامعلوم اداسی نے اس کے دل کا ایک حصہ ویران کر دیا تھا۔

باغ میں بیٹھ کر سب لڑکیوں کے ساتھ مسالا لگے امرود کھاتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے اپنی سابقہ کیفیت سے آزاد ہوگئی تھی۔ دھوپ ہلکی تھی اور گرمی بھی نسبتاً کم تھی۔ وہ سب دوبارہ چل پڑے تھے اس باران کی منزل سجاول کے چچا الٰہی بخش کی زمینیں تھیں جن کا راستہ کھیتوں کی طرف سے ہو کر جاتا تھا۔ کھیتوں سے ذرا پرے ایک چوڑی ندی تھی جو رفتار سے بہہ رہی تھی۔ ندی کے کنارے پہنچ کر سانول اور ساری لڑکیاں ایک ہی جست میں آگے پیچھے ندی پھلانگ گئیں۔ ان میں سے کسی نے نہیں سوچا کہ آبی کے لیے یہ چھلانگ لگانا کتنا مشکل ہوگا۔ وہ سب آگے بڑھ گئی تھیں اور پوری طرح باتوں میں مگن تھیں۔ آبی کنارے کھڑی کشمکش و پیچ کا شکار تھی۔ سجاول پیچھے سے کسی سے فون پر بات کرتا ہوا آرہا تھا۔ اسے کھڑا دیکھ کر معاملہ سمجھ گیا۔ خود ندی پھلانگ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر آبی کو یہ اتنی سی ندی دریا جیسی لگ رہی تھی۔ وہ ہنوز منہ بسورے کھڑی رہی۔ سجاول نے گہری سانس بھری اور ندی کے بیچ اتر آیا۔

"میرا کندھا پکڑیں اور دوسری طرف پاؤں رکھیں۔"

"میں گر جاؤں گی۔" اس کا خوف اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ اس کی زبان تک بھی آگیا تھا۔

"میں کیوں کھڑا ہوں یہاں؟ آجائیں شاباش ہمت کریں۔"

آبی نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔

"اب پچھلا پیر اٹھائیں اور آگے بڑھیں۔"

اس کا لمس محسوس کرتے ہی سجاول کی نظر اس کے چہرے سے ہٹ گئی تھی۔ آبی نے جیسے ہی پیر آگے بڑھایا اس کا خوف دگنا ہوگیا اور وہ توازن کھو بیٹھی۔ سجاول چوکنا تھا۔ سرعت سے اسے بانہوں میں بھر کر سنبھال لیا۔ آبدار نے لاشعوری طور پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے اس کی گردن کے گرد حمائل کر دیے۔ سجاول نے مضبوطی سے اسے سمیٹا ہوا تھا۔ قربت کا ایک لمحہ ان دونوں کی دھڑکنوں کا انداز بدل گیا۔ سجاول نے بہت مشکل سے اس کی آنکھوں سے پیچھا چھڑایا اور اسے ندی پار کرا دی۔

"جہاں تک سنبھال سکتا تھا سنبھال لیا۔ آگے اپنے قدم جمانا سیکھیں۔" نظریں جھکا کر اپنے کپڑے نچوڑتا ہوا وہ پھر وہی مغرور بے نیاز سا سجاول بن چکا تھا۔

آبی اب تک اپنی دھڑکنوں پر قابو نہیں پا سکی تھی اس پر اس کے الفاظ۔ وہ خود کو رونے سے روک نہیں پائی اور بنا جواب دیے آگے چل پڑی۔ وہ سب فاصلے پر رک کے ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔

"ادی! کیا ہوا۔ آپ کے کپڑے کیسے بھیگے؟"

"تم لوگوں کو ہوش نہیں تھا کہ یہ کیسے ندی پار کریں گی؟ پاؤں پھسل گیا ان کا ندی میں۔" سجاول نے بہت درشت لہجے میں ان سب کو لتاڑا۔

"ادی! معاف کرنا ہمیں دھیان نہیں رہا۔ آؤ ادی، میں آپ کو دوسرے کپڑے نکال دوں۔"

سورٹھ نے فوراً آگے بڑھ کر اس سے معذرت کی۔ آج کی میزبان وہی تھی۔

☆☆☆

سورٹھ نے اسے سفید اور گلابی رنگ کا کاٹن کا سندھی کڑھائی والا سوٹ نکال دیا تھا۔ آبی نئے سرے سے صاف ستھری ہو کر نکلی تو دھانی اس کے انتظار میں کمرے میں ہی بیٹھی تھی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر آئیں تو سورٹھ اور اس کی امی سب کو ٹھنڈا شربت پیش کر رہی تھیں۔ سجاول سامنے ہی چچا الٰہی بخش کے ساتھ بیٹھا کسی

بات پر ہنس رہا تھا۔ آبی کو آتا دیکھا تو ہونٹ خود بخود سمٹ گئے تھے۔ یہی حال آبی کا تھا۔ بیتا لمحہ ایک طلسم تھا جو اپنا فسوں ان پر چھوڑ گیا تھا۔

"بیٹا! کہیں چوٹ تو نہیں لگی تھی؟"

چچا الٰہی بخش نے آبی سے پوچھا۔ اس نے نظر اٹھا کر سجاول کو دیکھا۔

"نہیں چچا، بظاہر تو کوئی چوٹ نہیں۔"

"چل آ بیٹھ، ٹھنڈا پی۔"

چاچی نے لال شربت کا گلاس اسے تھما کر وہیں بٹھا دیا۔

"اور تجی! اب ہوگئی تیری پڑھائی ختم یا ابھی پھر جائے گا؟" چچا اب دوبارہ سجاول کی طرف متوجہ ہوئے۔

"نہیں چچا! ایم فل تو ہوگیا مگر کاروبار وہیں ہے سو جانا تو پڑے گا۔ پھر جاب بھی ڈھونڈنی ہے۔"

سجاول سہولت سے بتانے لگا۔ ایم فل پر آبی کے کان کھڑے ہوئے۔ حیرت سے سجاول کو دیکھنے لگی۔ وہ اس کی حیرت کو انجوائے کرتا ہونٹ دبا کر مسکرایا۔

"بابا، ابھی تو تم آئے ہو ابھی جا رہے ہو؟"

چچا پریشان ہوا تھے۔

"نہیں چچا! ابھی نہیں جا رہا۔ ابھی تو نتیجہ آنے میں وقت لگے گا پھر نوکری کی درخواست دوں گا جب تک سانول کی شادی بھی نمٹ جائے گی۔ ابھی یہیں ہوں آپ سب کے ساتھ۔" اس نے چچا کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر کہا۔

"ہائے ادا! کتنا مزا آئے گا۔ میں تو کب سے تیاری کر رہی ہوں۔" سورٹھ نے تالی بجا کر کہا تو وہ سب ہنسنے لگے۔ آبی کو بھی دلچسپی ہونے لگی۔

"ادی! آپ کو پتا ہے ادا سانول کی تاریخ آ رہی ہے دو دن بعد۔" دھانی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ آبی مسکرا دی۔ پھر اسی معاملے پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے وہ سب کھانے کے لیے اٹھ گئے۔ آبی نے بھی سب کے ساتھ مل کر کھانا لگوایا اور چچی کے منع کرنے کے باوجود کوئی نہ کوئی کام کرتی ہی رہی۔ عصر تک وہ لوگ واپس آ گئے۔ اس بار دھانی اور باقی سب لڑکیوں نے آبی کو ندی پار کرائی مگر سجاول پھر بھی سب سے آخر میں ان سب کے پیچھے ہی آیا۔

☆☆☆

اس مشہور چوک کے دائیں طرف بنی بیکری کے باہر کھڑا وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ پانچ منٹ بعد ہی ایک وائٹ سوک آ کر عین اس کے سامنے رکی۔ وہ موبائل دیکھتا ہوا اس کی فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھا۔ گاڑی لمحے کی بھی تاخیر کیے بنا فراٹے بھرنے لگی۔

"امید ہے آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا ہوگا؟"

جعفر نے گلاسز اتارتے ہوئے علی کی سمت دیکھا۔

"جی نہیں۔ کچھ خاص نہیں۔"

علی محتاط تھا۔

"مسٹر علی مجھے آپ سے ضروری معلومات چاہئے۔ انیس صاحب کے علم میں نہیں کہ میں آپ سے مل رہا ہوں کیونکہ وہ آپ کی اس کیس میں شمولیت کو برا برتال رہے تھے اور یہ بات مجھے کھٹک رہی تھی۔"

جعفر سیدھے مدعے پر آ گیا۔

علی استہزائیہ ہنسا۔

"پہلے مجھے بھی یہ بات کھٹکی تھی مگر اب مجھے شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ انیس پھپھا جانتے ہیں کہ ان کی بیٹی کہاں ہے اور کس کے ساتھ ہے۔"

جعفر نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں یہ بات؟ اور ایسا ہوتا تو وہ پولیس کو انوالو کیوں کرتے؟"

جعفر اس سے اگلوانا چاہتا تھا۔

"مہک مجھ سے رشتے پر خوش نہیں تھی۔ اس کے ہر انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا۔ میں ہی نہیں سمجھا کبھی۔ مگر کل میں اس کے کالج گیا تھا۔ وہاں ایک

لڑکی نازیہ اس کی ہم جماعت تھی جس نے مجھے پہچان لیا اور نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ اس نے کئی بار مہک کو ایک لڑکے کے ساتھ جاتے دیکھا ہے۔ اور ایک بار اس نے ان دونوں کو کسی مال میں بھی ساتھ دیکھ لیا تھا۔ نازیہ اور مہک میں دوستی نہیں تھی لہٰذا مہک نے اسے مختلف دھمکیاں دیں کہ وہ کسی کے سامنے یہ بات نہ کہے ورنہ وہ صاف مکر جائے گی اور سارا الزام نازیہ پر رکھ دے گی۔"

علی گہری سانس بھر کر خاموش ہوا۔

"اور وہ دوسری لڑکی آبدار؟"

جعفر نے پھر پوچھا۔

"اسے مہک نے استعمال کیا مجھے بیوقوف بنانے کے لیے۔ اس کی طرف سے مجھے ہر ایک نے اچھی ہی رپورٹ دی۔ اس کا کسی معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ شریف لوگ مہک اور اس کے عاشق کی خودغرضی کی بھینٹ چڑھ گئے۔"

علی تلخ ہونے لگا۔ جعفر سر ہلا کر رہ گیا۔ کچھ ایسا ہی اندازہ اس کا بھی تھا۔

"اور اب انیس صاحب یہ سارا معاملہ آبدار کی فیملی کے سر منڈھ کر اپنی عزت بچانا چاہتے ہیں۔"

"ایسا ہی ہے کیونکہ اگلے ہفتے مہک اور میری شادی تھی۔ ان کو سارے خاندان میں رسوا ہونا پڑے گا۔ مگر اب میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ شادی تو میری ان کی بیٹی سے ہی ہوگی۔ بڑی نہ سہی چھوٹی سہی۔ میرے ماں باپ کی عزت داؤ پر لگا کر وہ خود کو بچانے کے طریقے ڈھونڈ رہے ہیں۔"

جعفر کو اس کے ارادے سے اختلاف تھا مگر یہ اس کا کیس نہیں تھا۔ جس چیز کی تفتیش اسے کرنی تھی وہ ہو چکی تھی۔ علی کو ڈراپ کر کے اس کا رخ آبدار کے گھر کی طرف تھا۔

☆☆☆

"اماں! اب تو ادی کو بھی ادا سانول کی شادی کی دعوت دے دیں۔ ادی، آپ شادی سے پہلے نہ جانا۔" دھانی دوپہر سے جو بات سوچ رہی تھی وہ گھر آتے ہی کہہ دی۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ آبی ضرور جائے گی ہمارے ساتھ۔ میں آج ہی بوا کو بلاتی ہوں۔ آبی کے لیے شادی کے جوڑے لا دے۔"

اماں سائیں نے محبت سے اسے دیکھ کر کہا۔ آبی گھبرا گئی۔

"مگر اماں سائیں، ایسے اچھا نہیں لگتا۔ اور ہو سکتا ہے تب تک میں چلی ہی جاؤں۔"

وہ خود نہیں جانتی تھی یہ بات اس نے کیوں کہی۔ یوں بھی آج کا دن اسے خوش کم اداس زیادہ کر رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھتا سجاول اس کی بات پر اک لمحے کو ٹھہر گیا۔ کیوں کہا اس نے ایسا؟

"اب میں تجھے نہیں جانے دوں گی۔ ملا اپنے ابا کو فون اور بات کرا اپنے بابا سائیں سے۔ وہ اجازت دے دیں تب تو رک جائے گی نا؟"

اماں سائیں کی محبت اسے باندھنے لگی تھی۔ کیا کہتی کہ وہ تو اب شاید ساری عمر نہ جانا چاہے مگر ان کا بیٹا جو اسے اٹھتے بیٹھتے یاد دہانی کرواتا تھا اس کا کیا؟

سجاول اس کے جواب کی خاطر رکا رہا مگر وہ سوچ میں ڈوب چکی تھی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

اس نے بلا ارادہ طلعت سبحانی کو کال کی اور بابا سائیں کو لا کر فون دیا۔

"بابا سائیں وہ۔ بی بی کے ابا ہیں؟"

"السلام علیکم! کیسے ہیں سائیں آپ؟" بابا سائیں کا خوش باش انداز ابا کو مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"وعلیکم السلام! جی اللہ کا کرم ہے۔ آپ کیسے ہیں؟"

"بابا! ہم تو ٹھیک ہیں۔ آپ سنائیں وہاں کیا حالات ہیں؟ بچی بتا رہا تھا کہ اس لڑکی کے والد آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔؟"

ابا اک پل کو خاموش ہوئے۔ سجاول جھوٹا نہیں تھا۔ اس کے ماں باپ بھی وہی جانتے تھے جو سچ تھا۔

"فی الحال امن ہے اور آگے بھی ان شاء اللہ

سب ٹھیک ہوگا۔ میری بیٹی بے قصور ہے اور میرا اللہ اس کی بے گناہی ثابت کرے گا۔"

ابا پورے جذب سے بولے تھے۔

"ان شاء اللہ، اور آپ کی بیٹی اب ہماری بھی بیٹی ہے۔ اس کی طرف سے بے فکر رہیں۔ وہ جب تک چاہے یہاں رہے اور آپ بھی سائیں کبھی ہم کو مہمان نوازی کا موقع دو۔ ہمارے بڑے بیٹے کی شادی ہے دو ہفتے میں۔" بابا سائیں کا انداز اور آبی کے لیے ان کی محبت ابا کو اندر تک سرشار کر گئی۔

"ان شاء اللہ ضرور۔ اور آبی کا جس طرح آپ سب خیال رکھ رہے ہیں۔ میں ساری عمر بدلہ نہیں چکا سکتا۔ مجھے اطمینان ہے کہ میری بیٹی محفوظ ہاتھوں میں ہے۔"

"آپ نے مجھ پر اعتبار کیا یہی ہماری آزمائش تھی اور ہم اپنے بیٹے کا سر نیچا نہیں کر سکتے۔ آپ آرام سے رہو اور اپنے بچوں کا خیال رکھو۔ پھر بات ہوگی۔ اللہ حافظ" بابا سائیں نے ان کی تسلی کروا کر فون بند کر دیا۔

"چلو یہ اچھا ہو گیا۔"

اماں سائیں خوش ہو گئیں۔ جب ہی دھانی اور آبی اندر آئیں۔

"لے بچہ، تیرے ابا سے بھی بات ہو گئی آج۔ اطمینان میں ہیں وہ۔ تو بھی آرام سے رہ اور سانول کی شادی کی تیاری کر۔" بابا سائیں نے اسے پاس بلا کر تھپکا تو وہ پاس کھڑے سجاول کو دیکھنے لگی۔ وہ دانستہ نظر چرا گیا۔

"ہائے ادی! اب آپ ہمارے ساتھ شادی میں چلو گی۔"

دھانی خوش ہوتی اس کے گلے میں جھول گئی۔ آبی مصنوعی سا مسکرا دی۔ سجاول اپنے موبائل پر جھکتا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ نے ایم فل کیا ہے؟"

آبی نے اسے ٹیرس پر ڈھونڈ لیا۔ سجاول منڈیر پر جھکا نیچے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز پر ایک نظر اسے دیکھا۔ شام کے ڈھلتے سایوں میں وہ سفید گلابی آنچل اوڑھے گھبرائی ہوئی سی توجہ کھینچ رہی تھی۔ آج چہرے پر ہمیشہ جیسا غصہ اور کھنچاؤ نہیں تھا۔

"ورنہ آپ نے تو مجھے مڈل پاس چوکیدار ڈکلیئر کر دیا تھا۔" اس کے طنز پر آبی نے پہلو بدلا۔

"خیر ایسا بھی نہیں اب۔"

"خیر جو بھی ہے۔ یہ کچھ پیسے رکھ لیں۔ سانول کی شادی کے لیے جو بھی چیز آپ کو چاہیے ہو منگوا لیجیے گا۔ کل لڑکیاں بازار جائیں گی تو۔"

"مگر میں آپ سے پیسے کیوں لوں؟" آبی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیونکہ آپ کا نان نفقہ میرے ذمے ہے۔ عارضی ہی سہی۔"

آخری جملہ زیر لب کہا مگر آبی سن چکی تھی۔ اپنی بدلتی کیفیت پر خود کو ضبط کرتی وہ واپس پلٹنے لگی۔

"مس آبدار سبحانی! یہ پیسے لیتی جایئے۔ اطمینان رکھیے یہ میری حق حلال کی کمائی ہے اور آپ کے لیے بالکل جائز ہے۔"

آبدار اسے کوئی جواب دینا چاہتی تھی مگر اس نے اتنا موقع ہی نہیں دیا۔ اگلے لمحے اس کی ہتھیلی پکڑ کر نوٹ دبا تا وہ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ آبی اس ہوا کے جھونکے سے الجھتی رہ گئی۔ دو آنسو بہت شدت سے اس کی آنکھوں سے بہے۔

"کیوں؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

☆☆☆

پشت پر دروازہ بند کر کے وہ بیڈ پر ڈھے گیا تھا۔ دو نرم شاخ جیسی بانہیں آپوں آپ اس کی گردن میں حمائل ہو گئیں۔ دوپہر سے بھاگ رہا تھا وہ اس سے اور وہ پھر چلی آئی تھی اسے آزمانے۔

"میں خائن نہیں ہوں۔ اس کے ابا نے مجھے اس کا محافظ بنا کر بھیجا ہے۔ میں اسے سوچ بھی نہیں سکتا مگر پھر کیوں۔ کیوں میرا دل اس کی آہٹوں سے

بندھنے لگا ہے۔ کیوں وہ میرے حواسوں پر چھانے لگی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے بال جکڑے بے بس سا ہو گیا تھا۔

خود کو بڑے دھڑلے سے اسے نظر بھر کر دیکھ لینے کی اتھارٹی دینے والا سجاول بخت آج اسے ایک نظر دیکھنے سے ڈرنے لگا تھا۔ یہ کب ہوا تھا؟ کیوں ہوا تھا؟ اسے خبر نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے اندر کا دیہاتی مرد اس شہری لڑکی پر اپنا جائز حق بھی جتانے سے ڈرتا تھا۔ بات صرف اس کے ابا کے اعتماد کی نہیں تھی۔ بات آبدار کے دل کا حال جاننے کی بھی تھی۔ وہ اب تک اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کس انداز سے سوچتی تھی۔ وہ بارہا اسے جان بوجھ کر اس رشتے کے عارضی ہونے کا احساس دلاتا تھا تاکہ جان سکے کہ اس رشتے میں اس کے احساسات کس حد تک شامل ہوئے ہیں۔ وہ اس سے بے نیازی نہ برتتا تو کیا کرتا؟ وہ اسے اپنے رنگ میں رنگی اچھی لگنے لگی تھی۔ گاؤں کی الھڑ مٹیاروں کی طرح سر پر جسے آنچل کا کونا ہتھیلی میں دبائے وہ اسے اسی ماحول کا حصہ لگتی۔ اس کا دل بغاوت پر اتر آتا۔ وہ اب تک خود کو بتا نہیں پایا تھا کہ درحقیقت اسے آبی سے محبت کب ہوئی تھی۔ جب پہلی بار اس کے سر کے آنچل سے اس کے رخ کا دیدار کیا تھا یا جب وہ صبح کی پہلی کرن جیسی اجلی اجلی اس کے پہلو میں بیٹھی تھی یا آج جب وہ اس کے گلے میں بانہیں ڈالے اس کے سہارے خود کو محفوظ سمجھ رہی تھی۔ اس کے دل میں سلگتی اس میٹھی میٹھی کسک کو آج اس کے قرب نے دہکا کر بھڑکتے الاؤ میں تبدیل کر دیا تھا جب ہی اس کے جانے کی بات سن کر اس نے بے ارادہ اس کے ابا کا نمبر ملا دیا تھا تاکہ بابا سائیں کے ذریعے اسے کچھ وقت اور اپنے پاس روک لے۔ اس کا دل بجھ گیا تھا اس کی جدائی کو سوچ کر مگر وہ اس تھوڑے سے وقت کو بھرپور جینا چاہتا تھا۔ آگے قسمت میں جو لکھا ہو وہ اس کا نصیب تھا۔

"بچی۔! کیا تو اندر ہے؟ نیچے آجا، بابا سائیں بلا رہے ہیں۔" سانول کی آواز اور دروازے پر دستک سے اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹا تھا۔ وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر ہر تاثر کو زائل کرتا اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

"کیا میں آپ سے کچھ بات کر سکتا ہوں؟"

انسپکٹر جعفر ایک بار پھر ان کی دہلیز پر کھڑا تھا۔ ابا نے گہری سانس بھر کر اسے راستہ دیا۔

"بیٹھیے۔"

ابا نے انسپکٹر جعفر کو بیٹھک میں موجود واحد کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"شکریہ۔"

جعفر اردگرد کا جائزہ لیتا ہوا بیٹھ گیا۔ ایرانی قالین اور اس پر سفید کرتا شلوار میں ملبوس بیٹھا یہ باوقار سا بوڑھا شخص جس کی نشست و برخاست کچھ اور کہتی تھی مگر اس کے ظاہری حالات کوئی اور ہی کہانی سناتے تھے۔

اس لمحے بھی وہ اپنے چہرے پر پھیلے اضطراب پر قابو پاتے جعفر کی جانب سے پہل کے منتظر تھے۔ ان کی کھلتی گندمی رنگت میں سوچ کے زیر اثر سرخی گھل رہی تھی۔ اپنی سیاہ سفید ڈاڑھی پر بار بار ہاتھ پھیرتے وہ جعفر کو بے چین محسوس ہوئے۔

"گھر میں بہت خاموشی ہے۔"

"جی وہ دونوں چھوٹے بچے گھر پر نہیں۔ آپ سنائیے کس سلسلے میں آمد ہوئی؟" ابا نے مختصراً کہہ کر براہ راست اس کے چہرے کو ٹٹولا۔

"میں نے آپ کی بیٹی کی معلومات لیں اور انیس صاحب کی بیٹی کی بھی اور دونوں لڑکیوں کے حوالے سے مختلف باتیں سامنے آئیں۔" جعفر عادتاً رکا اور ابا کے تاثرات جانچے۔ وہاں ہنوز سکون تھا۔

"آپ کی بیٹی کا ریکارڈ اچھا ہے۔ اس کا اس کیس میں کوئی کردار نہیں نکلا بلکہ انیس صاحب کی بیٹی اپنی مرضی سے بھاگی ہے۔ اس کے اپنے منگیتر نے اور کلاس فیلوز نے اس کے خلاف گواہی دی ہے۔ اور سب سے بری بات یہ ہے کہ انیس صاحب

اس حقیقت سے واقف ہیں پھر بھی کیس کرنے چلے آئے۔"

جعفر کہہ کر خاموش ہوا تو ابا نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر زیر لب اللہ کا شکر ادا کیا۔

"تو کیا اب میری بیٹی کا نام اس کیس سے نکال دیا جائے گا؟" ابا نے فوراً پوچھا۔

"کیس تو کوئی بنتا ہی نہیں نہ ہی ایف آئی آر کٹی۔ انیس صاحب آف دی ریکارڈ تفتیش کروا رہے تھے کیونکہ اس میں سب سے زیادہ انہی کی بدنامی ہونی ہے۔ اس ہفتے شادی ہے ان کی اسی بیٹی کی۔"

جعفر کے انکشاف پر ابا کا منہ کھل گیا۔ ان کو ذرا دھمکا کر ان کے خوف سے اب تک کھیلا جا رہا تھا۔

"میں آپ کو بس یہ کہنے آیا ہوں کہ اس کیس سے تو آپ بری الزمہ ہیں مگر بہر حال آپ کی بیٹی غائب تو ہوئی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں کوئی مدد اس حوالے سے کر سکتا ہوں؟" جعفر نے عاجزانہ کہا۔ ابا کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"نہیں آپ نے بھی بہت بڑا احسان کیا مجھ پر۔ باقی میرا اللہ میرا وارث ہے۔ میں یہ شہر چھوڑنا چاہتا ہوں کیونکہ اس جگہ رہنا اب میرے لیے ممکن نہیں رہا۔" ابا کی آنکھوں میں نمی چمکی۔

"مجھے اجازت دیجیے۔ معذرت جو بھی تکلیف آپ کو ہوئی۔ میری دعا ہے آپ کی بیٹی جلد واپس آجائے۔ ہم کوشش کریں گے انیس صاحب کی بیٹی کا کوئی سراغ ملے تو اس کے ذریعے آپ کی بیٹی تک بھی پہنچ سکیں۔" جعفر بہت زیادہ عاجزی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ابا کو خواہ مخواہ کی شرمندگی ہونے لگی۔

"بس آپ نے جو کیا وہی بہت ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

ان کے چہرے پر پھیلا سکون جعفر کو محسوس تو ہوا مگر وہ اب بس اس منظر سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اسے انیس صاحب کی بھی خبر لینی تھی جنہوں نے تعلق داری کا غلط استعمال کرتے ہوئے اس کا خوب وقت برباد کیا تھا۔

اس کے چوکھٹ عبور کرتے ہی ابا نے دروازہ بند کیا اور وہیں ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی نظر اور ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھے اور دل سجدہ ریز۔

☆☆☆

آج سانول کی تاریخ جا رہی تھی۔ سانول کی شادی اماں سائیں کی بھانجی مینا سے ہو رہی تھی۔ بچپن کی منگ تھی۔ دونوں خاندانوں میں عرصے بعد کوئی خوشی آئی تھی۔ خوب اہتمام اور دھوم دھام سے ہر تقریب منانے کا ارادہ تھا۔ اماں سائیں نے آج کے دن کے لیے آبی کو ایک خوب صورت بھورے رنگ کا لیس پجامہ لا کر دیا تھا جس پر سنہرا زری کا کام تھا۔ بھورے آنچل کی چاروں کناری پر بھی سنہری کڑھائی تھی۔ آبی کو وہ جوڑا بہت پسند آیا تھا۔ دھانی نے اسے میچنگ گھسے اور جھمکیاں بھی نکال دی تھیں۔ شام سے ذرا پہلے وہ سب جانے کے لیے تیار تھے۔

سجاول آف وائٹ بند گلے کے کرتا پجامے پر بھورے رنگ کی ویسٹ کوٹ پہنے ٹھسرا ٹھسرا سا نیچے اترا تو وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیچوں بیچ بیٹھی اس چمن کا اکلوتا گلاب لگ رہی تھی۔ وہ سب دیسی رنگوں والے روایتی کپڑے پہنے ہوئی تھیں جو ان کی تہذیب کا خاصا تھے۔ ایسے میں آبی کا منفرد لگنا لازم تھا۔ تیزی سے سیڑھیاں اترتا سجاول آخری سیڑھی تک اپنی رفتار کھو چکا تھا۔ باریک کپڑے کے آنچل سے اس کے لمبے بالوں کی کمر تک آتی چوٹی جھانک رہی تھی۔ دو لٹیں چہرے کے دونوں اطراف احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ گورے رنگ پر براؤن گولڈن کے مکس شیڈ کی لپ اسٹک بہت ابھر رہی تھی۔ آنکھیں کاجل کی ہلکی سی لکیر سے بھی خوب واضح ہو گئی تھیں۔ ان چند دنوں کی بے فکری اور اچھی خوراک نے اس کی صحت پر خاطر خواہ اثر چھوڑا تھا۔ وہ نکھرتی جا رہی تھی اور سجاول کے لیے مشکلیں بڑھا رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی وہاں سے ہٹ نہیں پا رہا تھا۔ بلاوجہ موبائل سے چھیڑ چھاڑ کے بہانے وہیں ٹکا رہا۔ جب ہی آبی کی

نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ آف وائٹ مناسب فٹنگ کا جدید انداز سے سلا کرتا پجامہ اور تنگ سی ویسٹ کوٹ۔ پیروں میں خوب صورت کولہاپوری پہنے۔ وہ مصروف سا موبائل پر جھکا ہوا تھا۔ آج بالوں کی کچھ تراش خراش بھی کی گئی تھی اس لیے چہرے کے آگے آنے کے بجائے پیشانی تک آکر رک گئے تھے۔ گردن البتہ اب بھی ڈھکی ہوئی تھی۔ مگر اس کے لمبے قد اور مضبوط چوڑی جسامت کی وجہ سے وہ اس کی شخصیت پر بھلے ہی معلوم ہوتے تھے۔

آبی کا دل کیا کہ وہ بے نیاز سا شخص بھی ایک بار نظر بھر کر اسے دیکھ لیتا۔ نہ جانے کیوں سب کی تعریفیں وصولنے کے بعد بھی اس ایک نظر کی کمی اپنی جگہ تھی۔ وہ دھڑکنیں روکے اس کی نگاہ اٹھنے کی منتظر بیٹھی رہی اور جب ہی کب سے خود کو روکتا سجاول کا دل اس کے اختیار سے ہاتھ چھڑا کر بھاگا اور نظر اس کا پیام پاتے ہی پھر اس یاہو رو کے نقش نقش سے لپٹ گئی۔ ایک پل کی بات تھی اور آبی کی نظروں نے سجاول کی نظروں سے الجھتی لپک کو جا لیا تھا۔ ایک معصوم میٹھا سا انکشاف دونوں کے قلب پر وارد ہوا اور پھر ارد گرد پھیلے شور ہنگامے نے دونوں کو بانٹ دیا۔ آبی کی دھڑکنیں بے ترتیب تھیں تو سجاول کا پورا وجود بے یقینی و حیرانی کی زد میں تھا۔

"کیا جو میں نے محسوس کیا وہ سچ ہے؟" وہ اپنے آپ سے سوال و جواب کرنے لگا۔

"تو کب ان زنانہ زلفوں سے پیچھا چھڑائے گا بھی؟"

اماں سائیں کی جھنجلائی ہوئی پکار پر وہ پوری جان سے متوجہ ہوا۔ ساری لڑکیوں کا مشترکہ قہقہہ گونجا اور سجاول آبی کے سامنے اس عزت افزائی پر بری طرح شرمندہ ہوا۔

"جب کوئی زنانی مل جائے گی تو یہ زنانہ زلفیں آپ ہی چھٹ جائیں گی اماں۔" اپنی سندھی ٹوپی سر پر جماتا سانول اسے آنکھ مار کر ہنسا۔ سجاول نے اسے گھورا۔

"اماں سائیں! مہمان ہیں گھر میں۔ دیکھ تو لیں۔"

اس نے دبی آواز میں ماں کو اشارہ کیا۔

"ہاں تیرے لیے ہوگی مہمان۔ ہمارے لیے تو ہماری ہی بچی جیسی ہے۔" اماں سائیں نے بات ہی ختم کردی۔ سجاول پچھلے برآمدے سے گزر کر باہر نکل گیا۔ آبی کا سامنا کرتے شرم آرہی تھی۔ آبی اسے پہلی بار نظریں چراتا دیکھ کر مسکرادی۔

☆☆☆

وہ عصر اور مغرب کے درمیانے وقت میں وہاں پہنچ گئے تھے۔ یہ اماں سائیں کا میکا تھا۔ سجاول کا ننھیال۔ مینا، خالہ وسائی کی بیٹی تھی جو اماں کی چھوٹی بہن تھیں۔ حیثیت میں وہ اماں سائیں سے تھوڑی کم ہی تھیں مگر دل کی دھنی تھیں۔ خالہ وسائی کے گھر اس وقت سجاول کے دو ماموں اور تین خالاؤں کا پورا خاندان جمع تھا۔ آبی کے بارے میں یہاں بھی سب کو خبر تھی۔ سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ آبی کو اس بالکل الگ تہذیب کے لوگوں کا رہن سہن اور رسمیں بڑا متاثر کررہی تھیں اور وہ یہاں خوب لطف اندوز ہورہی تھی۔ دھانی نے اسے ہر جگہ ساتھ لگائے رکھا تھا۔

"یہ ہے کیا وہ شہری لڑکی؟"

عمر جو سجاول کا ماموں زاد تھا اور سجاول کی طرح شہر میں پڑھ کر نوکری کرتا تھا۔ اس وقت سانول کی شادی کے لیے خاص طور پر گاؤں آیا ہوا تھا۔ وہ خاصا خوش شکل نوجوان تھا اور شہری رنگ میں پوری طرح ڈھل چکا تھا۔ گھر کے اوپری حصے پر کھلی چھت جیسی جگہ تھی جہاں اس وقت وہ سب کھڑے تھے۔ وہاں سے نیچے صحن میں بیٹھی ہوئی سب لڑکیاں با آسانی دکھائی دے رہی تھیں۔

اس کے استفسار پر ساتھ کھڑے سجاول کا سارا دھیان آنکھوں میں سمٹ آیا۔ سامنے ہی تو نظر آرہی تھی وہ۔ ایک ناگوار نگاہ عمر پر ڈالی جس کے ہر انداز سے وہ واقف تھا۔

"ہاں یہی ہیں۔" مختصر جواب دے کر وہ لب بھینچ گیا۔

"بہت خوب صورت ہے۔ کہاں رہتی ہے؟" عمر کی زبان اب رکنے والی نہیں تھی۔

"ہم مہمانوں پر بری نظر نہیں ڈالتے عمر بخت! بھول گئے ہو اپنی تہذیب؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ بس نہ چلتا تھا آبی کو وہاں سے غائب کر دے۔

"ارے یار تو ناراض کیوں ہو رہا ہے۔ ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔ اچھی لگ رہی ہے۔ شریف سی۔ تھوڑی جان پہچان بڑھاؤں گا۔ مناسب لگی تو اماں سائیں کو پیغام لے کر بھیج دوں گا۔ بس اب شادی کا دماغ بن رہا ہے اپنا بھی۔" عمر کی نظریں بدستور آبی کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ سجاول کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

"وہ تمہاری ٹائپ کی نہیں ہیں۔ اور ان کے ابا نے مجھ پر بھروسا کر کے ان کو یہاں بھیجا ہے۔ ویسے بھی وہ یہاں کچھ ہی وقت کی مہمان ہیں۔" وہ بہت ضبط کے ساتھ بولا تھا تاکہ کوئی تماشا نہ بنے ورنہ دل تو کر رہا تھا اس کا منہ توڑ کر رکھ دے جو اس کی آبدار پر میلی نگاہ ڈال رہا تھا۔

"تجھے کیسے پتا وہ میری ٹائپ نہیں ہے؟ تیری جان پہچان ہے اس سے؟" عمر کی تو ہی تفتیش شروع ہو چکی تھی۔

"عمر بخت! اپنی گندی نظر یہاں سے ہٹا لو۔ وہ میرے لیے بہت محترم ہیں اور یہ میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں۔ مہمانوں کی خاطر داری اور حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ اور یہ تمہارے بھی خون میں شامل ہے۔"

سجاول کی بدلتی رنگت اور سرخ آنکھیں عمر کو ایک پل کے لیے کھٹکا گئیں۔ وہ اس وقت تو خاموش ہو گیا مگر ذہن سے یہ بات نہ نکال سکا۔

آبی کھانا کھانے کے بعد پانی پینے باورچی خانے میں آئی تھی جہاں سجاول پہلے ہی کولر کے آگے کھڑا تھا۔ آبی کو فطری حیا نے آلیا۔ ایک بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔ مگر سجاول کا ذہن مسلسل عمر کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ آبی کو آتا دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ قریب آتی وہ سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے باہر نکل گیا۔ آبی جو شام سے اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر ایک سرخوشی کی کیفیت میں تھی۔ اس وقت اس کے یوں پہلے جیسے بے نیاز بن کر گزر جانے پر دل مسوس کر رہ گئی۔

وہ رات سجاول پر بہت بھاری تھی۔ پہلی بار آبی سے اپنے رشتے کی حقیقت نے سر اٹھایا تھا۔ پہلی بار اس پر اٹھنے والی غیر کی نظر نے اس کی غیرت کو ڈنک مارا تھا۔ پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ اس رشتے کو دنیا سے چھپا کر اس نے اپنا کتنا نقصان کیا تھا اور پہلی بار احساس ہوا تھا کہ آبی کو اس رشتے سے آزاد کرنا اور کسی اور کا ہوتا دیکھنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ صبح اس کی آنکھ فون کی گھنٹی سے کھلی تھی۔ آٹھ بجے کا وقت تھا۔

طلعت سبحانی کی کال تھی۔ سجاول اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم۔" نجانے کیوں اس وقت ان کا فون آنا سجاول کو اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو؟" ابا نے پہلی بار بہت نرمی اور اپنائیت سے اس سے پوچھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔ آپ کی طرف سب خیریت ہے؟" اس نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر کمر بیڈ کے سرہانے سے ٹکا دی۔

"الحمد اللہ، سب خیریت ہے۔ ایک خوشی کی خبر ہے۔ مہک کے فرار کے معاملے میں پولیس نے آبی کو بے قصور قرار دے دیا اور اس پر کوئی کیس نہیں بنا بلکہ سرے سے ایف آئی آر ہی نہیں کٹی۔ میری آبی سرخرو ہوئی۔ اللہ کا شکر۔" ابا کے لہجے میں ایک محسوس کن بشاشت تھی۔ ادھر سجاول کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مبارک ہو آپ کو۔" ابا کو اس کا سست اور دھیما لہجہ بہت محسوس ہوا۔

"آبدار ہے وہاں؟" انہوں نے بات بدلی۔

"جی نیچے ہوں گی۔ رکیں ایک منٹ۔"

وہ بے ساختہ اٹھتا ہوا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ آبی اور دھانی صحن میں بیٹھے ہوئے کل کی تقریب پر تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔ سجاول کو یوں بنا قمیص کے نیند سے اٹھ کر آتا دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئیں۔

"اوہ کیا ہوا؟" دھانی گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

سجاول کا دھیان صرف آبی کی طرف تھا اور وہ براہ راست اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے ابا کا فون ہے۔" موبائل آبی کو تھما کر وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس پلٹ گیا۔ آبی کو اس کا دھواں ہوتا چہرہ الجھا گیا۔ واپس سیڑھیاں چڑھتے سجاول کو دیکھتے ہوئے اس نے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو۔ السلام علیکم ابا!" آگے سے جو کچھ ابا نے بتایا وہ آبی کو سجاول کی کیفیت سمجھانے کے لیے کافی تھا۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی آبی؟" ابا کو اس کی خاموشی بہت محسوس ہوئی تھی۔

"نہیں نہیں ابا میں خوش ہوں۔ آپ کچھ کہہ رہے تھے۔" اس نے فوراً خود کو سنبھالا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ میں نے دکان بیچ دی ہے اور گھر خالی کر دوں گا دو ایک دن میں۔ پھر بدن کے پاس حیدر آباد چلا جاؤں گا۔ وہیں کوئی کام دیکھ لوں گا۔ یہاں رہتا تو اب ممکن نہیں رہا اور تمہیں بھی یہاں واپس نہیں بلا سکتا۔ بس کچھ وقت اور بیٹا۔ پھر تم ہم سب کے ساتھ ہو گی۔"

ابا ابھی کہے جا رہے تھے اور آبی سے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے دھانی کو پانی لانے کا اشارہ کیا اور خود جلدی سے آنکھ میں بھر جانے والے پانی کو صاف کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے ابا۔ جیسے اور جب آپ کو سہولت ہو۔ جی بہتر۔ اللہ حافظ۔"

وہ برابر ابا کی باتوں کے جواب دیتی رہی۔ ابا کے فون رکھتے ہی اس نے گہری سانس بھر کر خود کو رونے سے روکا اور فون کو مضبوطی سے تھامے اوپر چلی آئی۔ سجاول کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ چند لمحے ٹھہر کر اس نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" سجاول کی تو یوں بھی نیند اڑ چکی تھی۔ دھانی کا گمان کرتے ہوئے اس نے لیٹے لیٹے ہی آواز لگا دی۔

آبی نے دروازہ آہستہ سے دھکیلا۔ تو وہ بایاں بازو آنکھوں پر رکھے نیم دراز تھا۔ آبی پہلی بار اس کے کمرے میں آئی تھی۔ بیج کلر کے کارپٹ پر سادہ بناوٹ والا فرنیچر تھا۔ کمرے کے وسط میں بیڈ پڑا تھا۔ دروازے والی دیوار کے ساتھ بڑا سا بک شیلف تھا جس میں بے شمار کتابیں تھیں۔ بیڈ کے دونوں طرف چھوٹی میزیں تھیں۔ دائیں طرف الماری تھی۔ جس کے کارنر پر لمبا سا خوب صورت لیمپ رکھا ہوا تھا۔ دروازے کھڑکیوں پر شیفون کے بیج کلر کے پردے پڑے تھے۔ اس کمرے کی سجاوٹ ہرگز دیہاتی نہیں تھی۔ ایئر فریشنر کی مہک سے کمرا معطر تھا۔ سجاول نے کسی احساس کے تحت آنکھوں پر سے بازو ہٹایا تو آبدار کو خاموش کھڑے اپنے کمرے کا جائزہ لیتے پایا۔

"آپ؟"

وہ حیران ہوتا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آبی نے چونک کر اسے متوجہ دیکھا تو خاموشی سے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

"مبارک ہو آپ کو؟" وہ بنا کچھ کہے پلٹی تو سجاول کے دل سے دھواں اٹھا۔

"آپ کو بھی۔"

اس کی مبارک باد آبی کو تیر کی طرح چبھی سو اس کے الفاظ اسے لوٹا کر دہلیز پار کر گئی۔ سجاول اندر کے شور سے گھبراتا اٹھ کر واش روم میں بند ہو گیا۔

☆☆☆

''آپ نے مجھ سے غلط بیانی کی انیس صاحب۔'' جعفر ان کے سامنے بیٹھا ان سے سوال کررہا تھا۔

"میں نے کیا غلط بیانی کی؟" انیس صاحب کا رنگ بدلا۔

"یہی کہ آپ کی بیٹی اغوا ہوئی ہے۔ تفتیش کے دوران یہ بات پتا چلی آپ کی بیٹی خود گھر سے گئی ہے اپنی مرضی سے۔"

جعفر کا تیز لہجہ سن کر فضہ ڈرائنگ روم کی دیوار کے ساتھ آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"مگر میری بیٹی کہاں ہے۔ یہ مجھے واقعی نہیں معلوم!"

"دیکھیے ایسے معاملات میں گھر کا کوئی فرد ضرور ملوث ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ بھی گھر سے شروعات کریں۔ بیٹی تک بھی پہنچ جائیں گے۔"

جعفر ان کو اشارہ دے کر چلا گیا تھا مگر انیس صاحب کو لمحے سے بھی کم وقت لگا تھا اس بھیدی تک پہنچنے میں۔ فضہ جعفر کے نکلتے ہی بھاگ کر کمرے میں بند ہوگئی تھی۔

"فضہ!" انیس صاحب لاؤنج میں کھڑے چیخ رہے تھے۔ دو منٹ بعد فضہ سامنے تھی۔ اس کی گھبراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ مہک کے فرار سے لاعلم نہیں تھی۔

"مہک کہاں ہے؟ جھوٹ مت بولنا ورنہ یہیں قبر کھود دوں گا تمہاری۔" ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"ارے کیوں ہوش کھو رہے ہیں۔ اسے کیسے پتا ہوگا کہ کہاں گئی وہ بدذات۔" مہک کی امی خالدہ بیگم نے ہمیشہ کی طرح بیٹیوں کے آگے پردہ ڈالا۔

"اسے نہیں پتا تو تمہیں ضرور پتا ہوگا خالدہ بیگم! آخر وہ ہر جگہ تمہاری ہی اجازت سے جاتی تھی۔ جب جب وہ دیر سے گھر آئی تھی تم اس سے پہلے ہر سوال کا جواب دینے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ تم جیسی ہی مائیں ہوتی ہیں جن کی بیٹیاں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں۔"

انہوں نے روایتی مرد ہونے کا پورا پورا ثبوت دیتے ہوئے سارا الزام بیوی کے سر رکھا اور کنارے کھڑے ہوگئے۔ اس بیچ وہ یہ بالکل بھول گئے کہ ان کی بیٹی نے بھاگنے سے پہلے خود انہیں اپنی پسند سے آگاہ کیا تھا۔ باقاعدہ ان کی منتیں کی تھیں کہ وہ اس کی شادی اس کی پسند سے کردیں مگر تب انہیں لگتا تھا کہ وہ لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اب جب بیٹی مایوس ہو کر گھر سے بھاگ گئی تھی تو انہیں سچ مچ پتا چل رہا تھا کہ لوگوں کو منہ دکھانا کیا ہوتا ہے۔

"میں اپنی غلطی مانتی ہوں مگر مجھے کیا پتا تھا کہ وہ میرے اعتماد کا اتنا ناجائز فائدہ اٹھالے گی۔"

خالدہ بیگم خود اس دن سے منہ چھپائے پھر رہی تھیں۔ میکے سے مسلسل طعنے مل رہے تھے۔ علی کی امی کی بدولت وہ ہر جگہ گھر بیٹھے ذلیل ہو رہی تھیں اور وجہ ہر ایک ان کی خراب تربیت اور بے جا لاڈ پیار کو قرار دے رہا تھا۔

☆☆☆

شام کو بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے علی کے گھر فون کیا تھا۔

''مہک کا کوئی سراغ نہیں ملا ہے بھائی صاحب۔ میں یہ شادی ملتوی کررہا ہوں اور آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔" ان کے لہجے کا غرور آج مفقود تھا۔ جعفر کی باتوں نے انہیں واقعی ڈرا دیا تھا۔ سو بہتر تھا تھوڑا جھک کر رہی سہی عزت بچالی جائے۔

"بات تمہاری ٹھیک ہے مگر شادی ملتوی کرنا لوگوں کے تجسس کو اور ہوا دینے والی بات ہے۔ بہتر ہے کہ علی کی شادی فیصلہ سے کردو، دونوں خاندانوں کی عزت اسی میں ہے۔ علی کی بھی یہی مرضی ہے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ فون رکھ چکے تھے۔ انیس صاحب اعتراض کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

"اس اتوار تمہاری شادی علی سے ہو رہی ہے۔ بہن کو بھگانے میں تم پیش پیش تھیں۔ اس کی سزا بھگتو اب۔"

انیس صاحب پھر فضہ کو لائن حاضر کیے اس کے حواسوں پر بم گرا رہے تھے۔

"مگر میرا کیا قصور ہے ابو؟ مجھے پتا نہیں بھی ہوتا تب بھی اسے بھاگ جانا تھا کیونکہ آپ اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کر رہے تھے۔"

فضہ کون سا ان سے دبتی تھی۔ ایسی تو کوئی تربیت ہی ان بہنوں کو نہیں ملی تھی۔ اس کی بدتمیزی انیس صاحب کو چابک کی طرح لگی۔

"اب تمہارا نکاح اتوار کو نہیں آج ہی ہوگا۔ تمہیں بھی بھاگنا ہے تو آج ہی بھاگ جاؤ۔"

وہ تھک کر نیچے بیٹھ گئے۔ یہ ذلت ان کا نصیب ٹھہری تھی سو ان کو برداشت کرنی ہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو فضہ کی ساری ہٹ دھرمی بہا لے گئے۔ وہ خاموش ہو کر باپ کو کمزور پڑتا دیکھتی رہی۔

"ابو! مجھے معاف کر دیں۔ جبک کی باتوں نے میرا دماغ خراب کر دیا تھا۔ میں کہیں نہیں بھاگوں گی ابو۔ میں آپ کی مرضی سے علی سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ پلیز آپ رو میں نہیں۔"

وہ ان کے گرد بازو پھینکتی وہیں بیٹھ گئی۔ خالدہ بیگم آنسو بہاتے ہوئے انہیں ٹوٹتا ہوا دیکھتی رہیں۔ انیس صاحب کے رونے میں اور شدت آ گئی تھی مگر دل کو سکون حاصل ہوا تھا۔

☆☆☆

بوا آئی بیٹھی تھیں۔ گاؤں میں کپڑوں کا سب سے اچھا کاروبار انہی کا تھا۔ سانول کی شادی کے لیے دلہن سمیت سب کے کپڑے بوا نے ہی تیار کیے تھے۔ آج اماں سائیں نے انہیں آبی کے کپڑوں کے لیے بلایا تھا۔ بہت احتیاط اور چھانٹ پھٹک کے بعد بوا شہری لوگوں کی پسند کے مطابق کپڑے لائی تھیں مگر آبی ان کے ہاتھ نہ آ رہی تھی۔ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ادھر ادھر ہو جاتی۔ سچ یہ تھا کہ اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ ابا نے واپسی کی خبر کیا سنائی۔ اس کے دل کا سکون چھین لیا تھا۔ اس پر سجاول کی لاتعلقی۔ اسے ہر وقت رونا آتا رہتا۔ خود کو مصروف رکھتی یا کمرے میں بند ہو جاتی۔ اب بھی اماں سائیں کے بلاوے پر آ تو گئی تھی مگر کچھ بھی پسند کیے بغیر سر درد کا بہانہ کر کے واپس چلی گئی تھی۔

سجاول سارا دن باہر گزار کر ابھی لوٹا تھا۔ صحن میں بوا کی دکان لگے دیکھ کر سلام کی غرض سے وہیں چلا آیا۔

السلام علیکم بوا! کیا سارا بازار یہیں لگوا لیا اماں نے۔" وہ مسکراتے ہوئے وہیں ٹک گیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔ بس یہ تمہاری اماں نے وہ مہمان لڑکی کے کپڑے منگوائے تھے مگر اسے شاید کچھ پسند ہی نہیں آ رہا۔" بوا بیزار سی تھیں۔ آبی کے ذکر پر سجاول کے ہونٹ بھنچے۔

"ایسی بات نہیں ہے بوا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ پہلے بھی تو فوراً پسند کر لیا تھا اس نے۔" اماں نے جھٹ اس کی طرف داری کی۔

"کیا ہوا بی بی کی طبیعت کو؟"

سجاول پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"پتا نہیں بیٹا، بیزار سی ہے۔ شاید گھر یاد آ رہا ہے تو ہی پسند کر لے۔ ہمیں اندازہ نہیں شہر والوں کی پسند کا۔" اماں نے اس کے سر یہ کام منڈھ دیا۔

سجاول نے پہلو بدلا۔ مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔ تھوڑی سوچ بچار کے بعد اس نے کچھ کپڑے الگ کر کے بوا کو تھما دیے۔

"اس کے پیسے میں دوں گا اماں!"

اماں بوا کو ادائی کے لیے پیسے نکالنے لگیں تو اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"مگر وہ ہماری مہمان ہے۔"

"وہ سب سے پہلے میری ذمہ داری ہیں اماں۔ آپ لوگ تو کر ہی رہے ہیں۔ کچھ مجھے بھی فرض نبھانے دیں۔"

ذو معنی جملوں میں اپنے دل کی بات سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے تک جاتے یہ احساس ایک خوشی میں بدل چکا تھا کہ آج اس نے اپنی کمائی سے اپنی پسند سے آبی کے لیے کچھ خریدا تھا۔

☆☆☆

"ابا؟ آپ یہ کیا کیا کہہ رہے ہیں؟ اور مجھے اب بتا رہے ہیں جب اتنا کچھ کر چکے آپ؟" عدن سر پکڑے بیٹھی تھی۔ حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں ابل رہی تھیں۔

ابا آج ہی اس کے پاس پہنچے تھے۔ پچھلے ماہ ہی اس نے سسرال والوں سے اپنا گھر الگ کیا تھا۔ ابا کو تنہا آتا دیکھ کر وہ زیادہ دیر صبر نہیں کر سکی تھی۔ اور اب وقت آ گیا تھا کہ ابا اسے ہر بات سے آگاہ کر دیتے۔ اس کی حالت دیکھ کر ابا کو یقین ہو گیا تھا کہ فری نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

"میں اتنی غیر تھی آپ سب کے لیے کہ یہ ہاتھ بھر کی فری اور بلال بھی مجھ سے باتیں چھپانے لگے؟" عدن کا دکھ کم نہ ہو رہا تھا۔

"عدن! سمجھ داری سے کام لو بیٹا۔ تم شادی شدہ ہو۔ شوہر سسرال والی ہو۔ تمہاری بہن کی ایک دن سے بھی کم وقت کی گمشدگی کو محلے والوں نے فرار کا نام دے دیا تو سوچو تم جو اتنی دور بیٹھی تھیں۔ وہ کیا وضاحت دیتیں یہاں سب کو اور کون یقین کرتا آبی کی پارسائی کا؟۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں میں کس قیامت سے گزرا ہوں ان دنوں۔ برسوں سے ساتھ رہنے والے لوگ بھی گز بھر لمبی زبانیں نکالے زہر اگل رہے تھے۔" ابا کی آواز بھرا گئی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے واقعی اندازہ نہیں کہ آپ پر کیا گزری ہوگی۔ آبی کیسی ہے؟"

عدن نے سانس بھر کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"آبی! اللہ کا شکر ہے بہت خوش ہے اور محفوظ ہے۔ وہ لوگ بہت اچھے ہیں۔" آبی کے ذکر پر ابا کی باچھیں کھل گئیں۔

"اور وہ لڑکا؟" عدن کو اچانک خیال آیا۔

"کون سجاول؟۔ اب تک کوئی شکایت کی تو نہیں اس کی آبی نے مگر میں یہ بات بھول نہیں پاتا کہ اس کی وجہ سے میری بیٹی پر یہ مصیبت آئی۔" ابا کا لہجہ ایک دم بدلا۔

"اب آگے کیا کریں گے ابا؟" عدن فکر مندی سے بولی۔

"بس بیٹا بچا کچا لے آیا ہوں۔ ناصر میاں سے کہوں گا کہیں جگہ دیکھ دیں تو وہیں دکان ڈال دوں گا یہاں بھی۔ پھر کوئی چھوٹا گھر کرائے پر لے کر آبی کو واپس لے آؤں گا۔" ابا نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"واپس کیسے لائیں گے ابا؟ طلاق دلوائیں گے آبی کو؟" عدن کو بہت اچانک احساس ہوا تھا۔ ابا طلاق کے لفظ پر خالی الذہنی سے اسے دیکھنے لگے۔

"طلاق۔؟"

ان کے لب سرسرائے۔

"کیا آپ نے نکاح کرتے وقت اس بات کو نہیں سوچا تھا ابا؟" عدن نے حیرت سے ان کو دیکھا۔

"مگر میں نے آبی کو صرف تحفظ دینے کے لیے نکاح کیا تھا عدن اور کوئی بھی اس نکاح کے بارے میں نہیں جانتا۔" ابا کو جیسے خود اپنے الفاظ پر یقین نہیں تھا۔

"تو تحفظ تو اسے حاصل ہو گیا نا ابا؟ آپ کہتے ہیں وہ خوش اور مطمئن ہے۔ اور کیا تحفظ دیں گے آپ اسے؟" عدن دوسرے انداز سے سوچ رہی تھی۔

"مگر وہ اسی لڑکے کی بے وقوفی کی وجہ سے مشکل میں پھنسی۔ ایسا نہ ہوتا تو ہم یوں در بدر نہ ہوئے ہوتے۔ میں کیسے اعتبار کروں اس پر۔" ابا بھڑک گئے۔ عدن مسکرائی۔

"آپ اس پر اعتبار کر چکے ہیں ابا۔ اگر مشکل میں اس نے پھنسایا تھا تو مشکل ذمہ داری بھی اسی نے اٹھائی۔ وہ اگر قابل اعتبار نہ ہوتا تو بھی آپ کی

بات نہ مانتا اور پھر آپ نے بھی تو کچھ سوچ کر اسے اپنی بیٹی تھمادی۔" عدن ان کو آئینہ دکھا رہی تھی۔

"وہ اس کی سزا تھی۔" ابا تحمل سے بولے۔

"اور اس نے وہ سزا قبول کر لی؟ بڑا کچا مجرم تھا ابا۔" عدن دوبدو بولی اور خود ہی ہنس دی۔

"مان لیں ابا، یہ فیصلہ اللہ نے کروایا آپ سے۔ آسمانوں میں لکھا تھا۔ آبی کی شادی ایسے ہی ہونی تھی شاید۔"

"یہ کوئی آسان بات نہیں عدن۔ ان سب میں آبی سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے اور اس کی مرضی سب سے اہم ہے۔ دوسری طرف سجاول کی فیملی اس حقیقت سے واقف نہیں۔ وہ اس معاملے پر کیا ردعمل دیتے ہیں وہ بھی دیکھنا ہوگا اور خود سجاول۔؟ کیا وہ بھی ایسا چاہے گا۔؟" ابا نے جیسے ہار مان کر دوسرے پہلوؤں پر غور کیا۔

"ہاں یہ سب باتیں اہم ہیں۔ میری مانیں تو ایک بار ان کے گاؤں ضرور جائیں پھر کوئی فیصلہ کیجیے گا۔"

عدن نے مشورہ دیا۔

"اب تم ناصر میاں سے کیا کہو گی؟" ابا کو خیال آیا۔

"کہنا تو پڑے گا ابا۔ اب جو ہو چکا اسے بدل تو نہیں سکتے۔ آج نہیں مانیں گے تو کل مان جائیں گے۔ یوں بھی اب آبی کی شادی ہو چکی تو زیادہ باتیں بنانے کا موقع نہیں ملے گا کسی کو بھی۔ آپ پریشان مت ہوں میں سنبھال لوں گی۔" عدن پر اعتماد تھی تو ابا بھی مطمئن ہو کر آگے کا لائحہ عمل طے کرنے لگے۔

☆☆☆

سانول کی بارات سے ایک دن پہلے گھر میں دھوم مچی تھی۔ سارے مہمان ان کے گھر آ گئے تھے۔ گھر کے باہر دیگیں چڑھ گئی تھیں۔ چاروں اطراف چھوٹے چھوٹے برقی قمقموں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ جو رات ہوتے ہی روشن ہو کر ستاروں کی صورت جگمگا اٹھے تھے۔ فضا میں کھانوں اور پھولوں کی ملی جلی مہک رچ بس گئی تھی۔ سجاول سب کاموں کی نگرانی کرتا پھر رہا تھا۔ سانول کو آج سے خصوصی رعایت دے دی گئی تھی۔

آبی اپنی سابقہ کیفیات سے پیچھا چھڑائے سب لڑکیوں کے ساتھ کام میں مصروف تھی۔ مغرب کی نماز کے بعد سب لڑکیاں تیار ہونے لگیں۔ آبی نے آج کے لیے اماں سائیں کا دیا ہوا ہلکے اور گہرے نیلے رنگ کا فراک پجامہ منتخب کیا تھا جس پر سلور کڑھائی کی گئی تھی۔ آبی کو ان کے دیے سب ہی جوڑے بے حد پسند آئے تھے۔ اس کے کپڑے وہاں موجود سب لڑکیوں کے روایتی کپڑوں سے الگ تھے۔ وہ لباس تبدیل کیے سنگار میز کے آگے کھڑی بال بنا رہی تھی جب دستک دے کر نایا اندر آئی۔

"ادی! آپ کو ادا سجاول بلا رہے ہیں۔ آپ کے گھر سے فون ہے۔" وہ پیغام دے کر پلٹ گئی۔ بال بناتے آبی کے ہاتھ ہوا میں ہی معلق ہو گئے۔ اسے آج کل ابا کے فون سے خوشی کے بجائے اداسی ہوتی تھی۔ ٹھنڈی سانس بھر کر قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ گئی۔ سجاول منڈیر سے ٹیک لگائے کھڑا تھا جب وہ آتی دکھائی دی۔ اس کی پسند کے لبادے میں۔ سادہ چہرے اور اداس گم صم انداز لیے وہ سجاول کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ لیکن سجاول کو آج وہ پہلے سے بڑھ کر پیاری لگ رہی تھی۔

"طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ اماں سائیں بتا رہی تھیں کہ دل نہیں لگ رہا آپ کا یہاں۔"

پتا نہیں کیوں وہ اس سے بھی وہ نہیں کہہ پاتا تھا جو محسوس کرتا تھا۔ آبدار نے ایک گہری شکوہ کناں نگاہ سے اسے نوازا۔ سجاول ان نظروں کی کاٹ سے ہی گھائل ہو گیا۔ بہت ضبط کر کے نگاہ پھیری۔

"کیوں بلایا تھا مجھے؟"

ناراض لہجہ۔ روٹھا انداز۔ سجاول نے مسکراہٹ دبائی۔

"آپ کی بہن ہیں کوئی عدن؟ ان کا فون تھا۔

یہ اوپر والا نمبر ہے۔ کال ملالیں۔" وہ فون اسے تھما کر خود کمرے میں چلا گیا۔ آبی عدن کے نام پر ٹھٹک گئی۔ یعنی ابا وہاں پہنچ گئے۔ اس نے اپنی دم توڑتی کیفیت سے گھبرا کر کال ملادی۔

"ہیلو آبی؟" دوسری بیل پر عدن کی تڑپتی آواز آبی کو سب بھلا گئی۔

"کیسی ہو تم؟"

آبی کے آنسو خود بخود بہنے لگے۔ عدن اس کی سسکیاں سن کر خود بھی نم آواز سے بولی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ ابا پہنچ گئے تمہارے پاس؟" آبی نے لہجے پر قابو پایا۔ جواباً عدن اسے سب بتانے لگی۔ ہوا تیز تھی۔ آبی بار بار ہاتھ سے آنچل سنبھالتی مگر ریشمی کپڑا پھر سر سے پھسل جاتا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے جو ہوا سے مزید بکھر گئے تھے۔ وہ خود کو تنہا سمجھ کر بے فکری سے بات کرنے لگی۔

"سجاول نام ہے نا تمہارے شوہر کا؟"

عدن نے اچانک پوچھ لیا۔ آبی کے دل نے بہت زور سے دھڑک کر جواب دیا۔

"ہاں۔!"

"اس کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ آبی؟ تم خوش تو ہو؟" عدن جو پوچھ رہی تھی اس سے آبی کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں۔

عین اسی وقت عمر بخت نے اوپر کا رخ کیا اور چھت پر جھکتی آبدار اسے کوئی آسمانی پری معلوم ہوئی۔ آبی کا رخ اس کی سمت نہیں تھا مگر کمرے سے نکلتے سجاول نے عمر کو آبی کو تکتے دیکھ لیا تھا۔ وہ تیر کی سی تیزی سے آگے آیا۔

"خیریت عمر بخت، کوئی کام تھا؟" عمر اس کے یوں اچانک راستے میں کھڑے ہو جانے پر چونکا۔

"تیرے پاس ہی آرہا تھا مگر یہاں آکر دیکھا کہ آسمان سے حوریں اتر رہی ہیں۔ آج بات کرلوں اکیلی بھی ہے۔" عمر نے اسے آنکھ ماری۔ سجاول کا فشار خون خطرناک حدوں کو چھونے لگا۔

"تم باز نہیں آؤ گے؟ تمہیں کہا تھا آبی سے دور رہنا۔"

"آبی۔؟"

بے اختیاری میں اس کے منہ سے آبی نکل گیا تھا مگر عمر نے بات اچک لی تھی۔ سجاول ٹھٹک اپڑا۔

"اور بات تو یہ بھی ہے کہ یہ یہاں اکیلی تیرے ساتھ کیا کر رہی ہے؟" عمر نے اب غور کیا تھا کہ ان دونوں کے سوا یہاں کوئی اور نہیں تھا۔

"آبی! کچھ کہو؟ سب ٹھیک ہے وہاں؟" عدن اس کی خاموشی پر پھر بولی تھی مگر آبدار کا سارا دھیان سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دوسرے سے الجھے ہوئے سجاول اور عمر پر چلا گیا تھا۔

"عدن! میں پھر فون کروں گی۔ کوئی آرہا ہے۔" اس نے جلدی سے فون رکھا۔

"وہ یہاں فون پر بات کر رہی ہیں۔" سجاول کو سخت ناگوار گزرا تھا اسے وضاحت دینا۔

"کیوں نیچے سگنل نہیں آتے کیا؟ کوئی اور بہانا گھڑو سجاول بخت!"

اس کی مذاق اڑاتی ہنسی سجاول کو آپے سے باہر کر گئی۔

"میں تمہیں کوئی بھی وضاحت دینے کا پابند نہیں ہوں۔ جو سمجھنا ہے سمجھ لو۔ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔ آبی کو خوف آنے لگا۔

"اس کا جواب میں تمہیں ضرور دوں گا سجاول بخت۔ یہ بات اب ایسے ختم نہیں ہوگی۔" عمر اسے دھمکاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

سجاول دیوار پر مکا مار کر پلٹا تو نظر سیدھی آبدار پر پڑی۔ بکھری زلفوں اور خوف زدہ چہرے کے ساتھ وہ اسے قابل رحم لگی۔

"کچھ نہیں ہوگا گھبرائیں نہیں آپ۔ میں سنبھال لوں گا۔" وہ اس کے قریب آکر گویا ہوا۔ آبی یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ سجاول کو اس کا روپ پریشان کرنے لگا۔

"بات کرتے وقت ارد گرد دیکھ لیتے ہیں۔"
اس نے نظر چرا کر اپنی کیفیت چھپانی چاہی مگر پھر۔
ہر مصلحت بالائے طاق رکھتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر آبی کے بال پیچھے کیے اور اس کا آنچل سر پر اوڑھا کر اس کا کونا چہرے کے آگے کیا۔ "اور اس چیز کی اجازت میں نے صرف اپنے لیے دی تھی آپ کو۔ سب کے لیے نہیں۔"
آبی کی ساری جان اس کے ہاتھوں میں سمٹ آئی تھی۔ وہ بے جان مورت بنی اس کے آگے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ سجاول اس کی کیفیت سمجھ کر بھی انجان بن رہا تھا۔ اسی میں ان دونوں کی بھلائی تھی۔
"جائیں اب نیچے۔ سب ڈھونڈ رہے ہوں گے آپ کو۔"
اس کے سامنے سے ہٹ کر اسے راستہ دیتا ہوا وہ سامنے کھیتوں کی طرف والی منڈیر پر جھک گیا۔ آبی کا طلسم ٹوٹا اور وہ گرتی پڑتی وہاں سے غائب ہو گئی۔ سجاول دیر تک اپنی کیفیات سے الجھتا رہا۔

☆☆☆

اس رات دیر تک گھر میں خوب ہنگامہ ہوا۔ ڈھولک کی تال پر لوک گیت گاتے ہوئے وہ سب مست تھے۔ سجاول اور سانول نے باقی لڑکوں کے ساتھ مل کر روایتی رقص پیش کیا۔ آبی کو گانے بجانے سے کوئی شغف نہیں تھا مگر ان سب کے ساتھ ان کی خوشی کی خاطر وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی۔ سجاول اس سے انجان بنا دانستہ بچتا رہا۔ عمر کوئی بہانا کر کے غائب ہو گیا تھا اور یہی بات سجاول کو کھٹک رہی تھی۔ اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا یعنی وہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی تماشا کرنا چاہتا تھا۔ سجاول اس رات انہی سوچوں کے ساتھ سویا تھا۔

☆☆☆

صبح سب کی آنکھ سجاول کی چیخ و پکار سے کھلی تھی۔
"کس نے کیا یہ بولو ورنہ سب کو گولی مار دوں گا؟" وہ صحن کے بیچ و بیچ کھڑا چیخ رہا تھا۔ اماں سائیں بابا سائیں اپنے کمرے سے نکلے۔ آبی اور دھانی بھی آنکھیں ملتی ہوئی آئی تھیں۔ سانول پہلے ہی ایک طرف چپ بیٹھا تھا مگر اس کے چہرے پر انتہائی ضبط کی کیفیت تھی۔
"ارے بچی یہ کیا..... یہ تو..... اوئے..... اللہ سائیں خیر ہوئے۔"
اماں اور پھر بابا سائیں کے حیران بے ربط جملے اور پھر سب کے مشترکہ قہقہے۔ سجاول سب کے بیچ مذاق بن کر کھڑا رہ گیا۔
دراصل جب صبح وہ نیند میں اٹھ کر واش روم گیا تو یوں ہی نظر شیشے میں اپنے عکس پر پڑ گئی اور وہیں اس کی پوری آنکھیں کھل گئی تھیں۔ کسی دشمن نے اس کے بے حد پیار سے پالے گئے لمبے لمبے بالوں کا صفایا کر دیا تھا۔ ایک عرصے کے بعد خود کو یوں 'بوائے کٹ' میں دیکھنا اسے شدید شرمندہ کر رہا تھا اور یہاں لوگوں کے ابلتے قہقہے رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اور ان میں سب سے نمایاں ہنسی آبدار کی تھی۔ آنکھیں بند کیے چہرہ اونچا کیے کھلکھلا کر قہقہے لگاتی ہوئی وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ آج کتنے عرصے بعد یوں بے فکری سے ہنسی تھی۔ سجاول اپنے 'دکھ' سے صرف نظر اس کی ہنسی میں کھو گیا تھا۔
"بچی! یہ تو بہت برا ہوا۔ اب تو باہر کیسے نکلے گا؟" سانول پیٹ پکڑے دہرا ہو رہا تھا۔
"سانول کے بچے، یہ تو ہی ہے مجھے پتا ہے۔" سجاول نے اسے گردن سے پکڑ کر پیٹنا شروع کر دیا۔ اماں سائیں خود اپنی ہنسی چھپاتی ہوئی دونوں کا بیچ بچاؤ کراتی رہیں۔
سانول "ہائے ہائے" کرتا برابر ہنستا رہا۔ وہ صبح اس گھر میں قہقہوں کے ساتھ اتری تھی۔

☆☆☆

سجاول بالوں کی سیٹنگ کروا کر لوٹا تو ہاتھ میں ایک نیا موبائل تھا جو اس نے موقع دیکھتے ہی آبی کے روبرو کر دیا۔
"اس کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے عادت نہیں اور

یوز کرنا بھی نہیں آتا۔" وہ شرمندہ سی کہنے لگی۔
سجاول اس کی سادگی دیکھتا رہ گیا۔ آج کے دور میں کون سی لڑکی تھی جسے موبائل چلانا نہیں آتا تھا۔
"آپ کو ضرورت ہے اس کی۔ کل رات کے بعد تو بہت زیادہ۔ آپ کے ابا اور بہن کا نمبر سیو کر دیا ہے اس میں اور اپنا بھی۔" اس نے پیکنگ کھول کر وہ خوب صورت سی اسکرین والا سلور فون اس کے آگے کیا جسے آبی نے جھجکتے ہوئے تھام لیا۔
"مجھے یوز کرنا نہیں آتا۔" اس نے پھر کمزور آواز سے منمنا کر کہا۔ سجاول کو اس کی جھجک پر نوٹ کر پیار آیا۔
"مجھ سے پوچھ لیجیے گا جو بھی سمجھ میں نہ آئے۔ ویسے آپ پڑھی لکھی ہیں جلد سیکھ جائیں گی۔" اس کے جھکے سر پر گہری نگاہ ڈال کر اس نے کہا۔
"شکریہ!"
آبی نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ کھدر کے کرتے شلوار میں اپنے نئے ہیئر اسٹائل میں وہ خوب جچ رہا تھا۔ بالوں کی تراش خراش کے بعد اس کے چہرے اور شخصیت کا رخ ہی بدل گیا تھا۔ وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھے گئی۔ کسی بھی پڑھے لکھے شہری لڑکے سے زیادہ جاذب نظر لگ رہا تھا وہ۔
سجاول کو اس کی بے خودی۔ بے خود کرنے لگی تھی۔ اس لڑکی سے اس کی محبت بہت پرسکون مگر سبک ندی جیسی تھی جس کا ذائقہ بہت میٹھا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسے ملی ہی محرم کے روپ میں تھی۔ وہ چاہے اس کے ساتھ نہیں رہتی تھی مگر اس کے آس پاس رہتی تھی۔ سجاول سلگتا تھا لیکن بھڑکتا نہیں تھا۔ اور اب جو اذن جدائی ان دونوں کو ملا تھا اس کا اثر وہ ہر وقت آبی کے چہرے پر دیکھتا تھا۔ وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی یہ اس کے ہر انداز سے ظاہر تھا۔ وہ سجاول کو دیکھتی تو نظروں میں سوال ہوتا تھا مگر یہ سب سجاول کے لیے اتنا آسان نہیں تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے ماں باپ ہر بات سے انجان تھے۔
"کچھ اور کہنا ہے آپ کو؟" گہری سانس بھر کر اس نے اس روح باندھ لینے والی لڑکی کے سحر سے خود کو آزاد کرایا۔ آبی چونکی۔
کیا میں اب تک اسے دیکھ رہی تھی؟ اف۔
اس نے پلکوں کی چلمن گرائی۔
"نہیں۔ بس شکریہ۔" وہ لب بھینچتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ سجاول پھر اس کی پشت کو تکتا رہ گیا۔

☆☆☆

فان کلر کے لہنگے پر زمردی رنگ کا آنچل اوڑھے وہ اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ ایک پل کو اماں سائیں اس کے روپ سے مرعوب سی ہو گئیں۔
کاش یہ چاند میرے آنگن میں اتر جائے۔
ان کے دل نے چپکے سے خواہش کی اور وہ آمین کہتی مسکرا دیں۔ دھانی اسی طرز کا مختلف رنگ کا لہنگا پہنے اپنی سہیلیوں اور کزنز کے ساتھ اٹھلاتی پھر رہی تھی۔ آبی نے ادھ کھلے بالوں کو پشت پر سمیٹا اور آنچل سر پر جما لیا۔
"یہ اجازت میں نے صرف اپنے لیے دی تھی۔ سب کے لیے نہیں۔" سجاول کی ہدایت اسے اچھی طرح یاد تھی۔ لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ وہ سب جانے کے لیے تیار تھے۔
سجاول سانول کو لیے نیچے اترا۔ روایتی سندھی انداز سے دولہا بنا سانول بہت معصوم اور پیارا لگ رہا تھا۔ اماں سائیں نے اس کی نظر اتاری۔ ساتھ سجاول پر بھی پھونک ماری۔ یہی عمل آبی نے بھی چپکے سے دہرایا۔ بادامی رنگ کی شیروانی پہنے اپنے چھوٹے بالوں کے ساتھ تازہ شیو کیے وہ کوئی مغرور سا شہری بابو لگ رہا تھا۔
"بجی! تو ہے کیا؟"
چچا الٰہی بخش نے حیرت سے ٹوکا۔
اس کے بالوں کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ سارا دن ہی جاری رہی تھی مگر اب وہ مسکرا کر لطف لے رہا تھا۔ آبی کی نظروں میں پسندیدگی دیکھ کر اپنے پلے

پلائے بالوں کی قربانی کا دکھ جاتا رہا تھا۔
"جی! تو نے گاڑی منگوالی شہر سے؟" بابا سائیں اپنی اجرک کندھوں پر برابر کرتے ہوئے باہر نکلے۔
"جی بابا سائیں۔ بس چلیں سب تیار ہے۔" اس نے مودب ہو کر جواب دیا۔
گھر کے باہر ایک کوسٹر کھڑی تھی جس میں سارے باراتیوں کو بیٹھنا تھا۔ دو پراڈو دولہا اور قریبی لوگوں کے لیے تھیں۔ ایک کو سجاول ڈرائیو کر رہا تھا جس میں سانول اماں اور دھانی نے بیٹھنا تھا۔ دوسری کے لیے ڈرائیور تھا جس میں بابا سائیں اور سجاول کے چچاؤں نے بیٹھنا تھا۔ یہ خصوصی انتظام صرف شادی کے لیے ہی بابا سائیں نے کروایا تھا۔
اماں سائیں نے آبی کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ دولہے کی گاڑی میں بٹھایا تو اس کا دل بھر آیا۔
"اماں سائیں! میں وہاں سب کے ساتھ بیٹھ جاؤں گی، آپ لوگ آرام سے جائیں۔" اس سے ٹھیک طرح بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ حلق تک آنسوؤں کے گولے اٹک گئے تھے۔
"تو اب تک ہمیں اپنا نہیں سمجھتی مگر ہمارے لیے تو اب ہماری اپنی بیٹی ہے۔" اماں سائیں نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا تو اس سے آنسو روکنا مشکل ہو گئے۔
سجاول والٹ ڈھونڈنے کے بہانے اسے سب جگہ کھوج آیا تھا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ گاڑی میں جائے اور اب اسے یہاں اماں سائیں کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اپنے بالکل پیچھے بیٹھی ہوئی آبی پر شیشہ مرکوز کرتے ہوئے اس کا دل الگ ہی لے پر دھڑک اٹھا تھا۔ آج تو اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ چہرے سے آنچل سرکائے آنسو صاف کرتی ہوئی وہ سجاول کو پھر بھٹکانے لگی۔ جب ہی آبی کی نظر شیشے میں سے اسے تکتی ہوئی دو بادامی آنکھوں پر پڑی۔ سجاول کی آنکھیں بات کر رہی تھیں اور آبی کی آنکھوں میں ایک پسپائی تھی۔ فتح ہو جانے والی تھکن تھی۔ سجاول کو ایک بار پھر نگاہ پھیرنی پڑی۔

☆☆☆

بارات کا شاندار استقبال ہوا۔ عمر بخت لڑکی والوں کی طرف سے شریک ہوا تھا۔ سجاول سے سامنا خوش گوار ہرگز نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے گزر گئے تھے۔
"تم ہو آبدار، جو شہر سے آئی ہے؟"
آبی دھانی اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ اسٹیج کے پاس کھڑی دلہن کے میک اپ اور کپڑوں پر تبصرہ کر رہی تھی جب اچانک ایک خاتون نے آ کر اسے بازو سے تھام کر متوجہ کیا۔
"سلام مامی۔"
وہ عمر بخت کی والدہ تھیں۔ دھانی کی بڑی ممانی۔ جو اسے جانچ رہی تھیں۔ آبی کو ان کے انداز سے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔
"لگتا ہے کافی گھل مل گئی ہو یہاں۔" انہوں نے پھر مسکرا کر اسے کھوجا۔
"جی؟" آبی نے جھینپتے ہوئے دھانی کو دیکھا۔
"میرا بیٹا بھی شہر میں رہتا ہے۔ اس کا اپنا گھر ہے وہاں۔" وہ پتا نہیں کیوں اسے یہ سب بتا رہی تھیں۔
آبی مسکرا کر سر ہلاتی رہی۔ دور کھڑا عمر بخت یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اب تو اسے سجاول سے ضد سی ہو گئی تھی۔ اس کا اس لڑکی کے لیے حد سے زیادہ حساس ہونا اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔
"گھر میں کون کون ہے تمہارے؟"
اپنا پورا حدود اربع بتا کر اب وہ اس کا انٹرویو لینے لگی تھیں۔ آبی کو کوفت ہونے لگی۔ نظر ارد گرد دوڑا کر اس نے دھانی کو شہ کا دیا۔
"ادی! اماں سائیں بلا رہی ہیں۔ ہم آتے ہیں مامی۔" دھانی اس کا اشارہ سمجھ کر اسے لمحے میں وہاں سے کھینچ کر لے گئی۔

"تو یہ کون تھیں یہ۔؟ کتنا گھور رہی تھیں مجھے جیسے نظروں سے کھا جائیں گی۔" وہ دونوں ہنستے ہوئے دوسری طرف آ گئیں جہاں واقعی اماں سائیں سجاول کے ساتھ کھڑی کچھ سامان رکھوا رہی تھیں۔

"کہاں سے بھاگ کر آ رہی ہو تم دونوں؟" اماں سائیں نے انہیں حیرت سے گھورا۔

"بڑی مامی سے جان چھڑا کر آئے ہیں۔ ادی کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔ بلاوجہ۔ میں یہ ہوں، میرا بیٹا یہ ہے۔ کتنا غرور ہے ان کو ادا عمر کی نوکری کا اماں۔"

دھانی کو وہ یقیناً پسند نہیں آئی تھیں ورنہ وہ کبھی کسی کے لیے ایسے بات نہیں کرتی تھی۔ سجاول کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ عمر کی ماں کا آبی کو روکنا کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

"بری بات ایسا نہیں کہتے۔ ان کی عادت ہے بس۔" اماں سائیں نے اسے ٹوکا۔

"عادت اپنی جگہ مگر وہ ادی کو یہ سب کیوں بتا رہی تھیں خاص کر ادا عمر کی باتیں۔"

دھانی کی بات پر سجاول اور آبدار کی نظریں ملیں وہیں اماں بھی ایک پل کو چپ سی ہو گئیں۔

"چل ہو گی کوئی بات۔ تو زیادہ دماغ نہ چلا۔ اور یہ ٹوکرے اٹھوا میرے ساتھ۔" ان کا انداز صاف ٹالنے والا تھا۔

سجاول کی پیشانی پر شکنوں کا جال بچھ گیا تھا۔ آبی اس کی سرخ ہوتی آنکھوں سے خائف ہونے لگی۔

"میں چلتا ہوں اماں۔ کوئی اور کام ہو تو بتا دیجیے گا۔" ایک بھرپور نظر آبی پر ڈالتا ہوا وہ دوسری سمت چلا گیا۔ آبی کا دل ایک بار پھر اداس ہو گیا۔

رخصتی ساتھ خیریت ہو گئی تھی۔ سب کے کمروں میں جانے کے بعد سارا گھر سناٹے میں ڈوب گیا تھا مگر سجاول آج پھر بے چین بیٹھا اپنی منتشر سوچوں سے الجھ رہا تھا۔ اسے کچھ بہت غلط ہونے کا بہت شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ دل شدید بغاوت پر اترا ہوا تھا اور اس کی پڑھائی ہر مصلحت کی بیڑی کو پھاڑ پھینکنے کے در پر تھا۔ آج اپنی کیفیت سے مجبور ہو کر اس نے عرصے بعد سگریٹ منہ کو لگائی تھی۔ ٹھنڈی ہوا میں چارپائی بچھائے وہ چت لیٹا آسمان کو گھور رہا تھا مگر ذہن کہیں دور نکلا ہوا تھا۔

☆☆☆

دھانی اور آبی دلہن کو کمرے میں چھوڑنے کے بعد گھر کا پھیلاوا سمیٹنے میں لگی ہوئی تھیں۔ تھکن سے دونوں کا برا حال تھا۔ دھانی کپڑے بدل کر چائے بنانے جانے لگی۔

"ادی! آپ کپڑے بدل لو۔ تب تک میں چائے لاتی ہوں۔"

آبی دوپٹا سائیڈ پر رکھ کر بالوں سے پنیں نکال رہی تھی۔ اس کی بات پر سر ہلا کر رہ گئی۔ جب ہی اس کے موبائل کی بیپ سنائی دی۔ انجان آواز پر اس نے موبائل اٹھایا تو عدن کا نام لکھا تھا اور کوئی میسج تھا۔ آبی نے کھولنا چاہا مگر موبائل لاک تھا۔ پاس ورڈ مانگ رہا تھا۔ آبی سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے سارے دن کے بعد اس وقت فون کو ہاتھ لگایا تھا۔ ورنہ جب ہی پتا چل جاتا تو وہ سجاول سے پوچھ لیتی۔ اسی وقت پھر عدن کی مس کال موصول ہوئی۔ آبی کو سخت کوفت ہونے لگی۔ آخر وہ کیسے اسے کھولے۔ وہ فون لیے کچن میں دھانی کے پاس آ گئی۔

"دھانی! ایسے کھول دو؟" وہ اسی حلیے میں الجھی الجھی کھڑی تھی۔ دھانی نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"ادی! یہ تو پاس ورڈ مانگتا ہے وہ تو ادا سجاول کو ہی پتا ہو گا۔ آپ ان سے ہی پوچھ لو۔" دھانی نے مایوس ہو کر ہاتھ جھاڑے۔

"وہ تو سو گئے ہوں گے اب تک۔" آبی نے اک نظر چھت پر ڈالی۔

"نہیں سوئے نہیں ہیں۔ ابھی ادھر منڈیر پہ کھڑے تھے۔ آپ جا کر کھلوا لو۔" دھانی واقعی معصوم تھی ورنہ اسے یہ مشورہ کبھی نہ دیتی۔ آبی فون

ہاتھ میں لیے یوں ہی چھت پر چلی آئی۔ سجاول چوڑیوں کی کھنک سے چونکتا سیدھا ہوکر بیٹھا۔ سیڑھیاں چڑھتی بجی سنوری آبدار اسے اپنا کوئی خواب لگی۔ ہاتھ میں موبائل اٹھائے وہ سیدھی اس کے قریب آکر رک گئی۔

"اس کا پاس ورڈ نہیں بتایا آپ نے مجھے۔ عدن کا میسج آیا ہے۔ کیسے پڑھوں؟"

سجاول جس کیفیت سے اس لمحے گزر رہا تھا۔ ایسے میں آبدار کی آمد اسے پاگل کرنے لگی۔

"آبدار سجاول۔" وہ بالکل اس کے روبرو آکر کھڑا ہوگیا۔

"جی؟" آبی کو خود سے بے حد نزدیک کھڑا وہ نارمل نہیں لگا۔

"آپ کو اس وقت یہاں تنہا میرے پاس نہیں آنا چاہیے۔" اس کی آواز بہت گہری تھی۔ آبی کی مت ماری گئی تھی جو یہ کہہ بیٹھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں؟"

سجاول کا دماغ گھوما اور پاس کھڑی آبی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"اپنی چھوڑیں مگر آپ مجھے ایسا ہی سمجھیں۔ اگر میں کچھ کر بیٹھا تو ذمہ دار آپ ہوں گی۔ اس لیے بار بار مجھے یاد دلانے مت آیا کریں کہ آپ میری کون ہیں۔"

دم اس کے نازک وجود کو جکڑے بالکل اس کے چہرے کے اوپر جھکا کہہ رہا تھا۔ آبی کو اس سے اس جرات کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی۔ موبائل ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہوگیا۔

"سجاول۔" بے یقین سہمی سی آواز میں اس نے پہلی بار اس کا نام پکارا۔

سجاول لمحوں میں حواسوں میں لوٹا۔ نظریں چرا کر اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا۔ آبی لڑکھڑا گئی۔ موبائل اٹھا کر اسے دیتے وقت بھی اس کی نظریں نیچی ہی تھیں۔

"پلیز جائیں یہاں سے۔" دونوں ہاتھوں میں سر جکڑے وہ واپس چارپائی پر جا بیٹھا۔ آبی بکھری بکھری سی بہت مشکل سے اپنے کمرے تک پہنچی۔

"ادی! کیا ہوا آپ کو؟" اس کی اڑی رنگت دھانی کو فوراً محسوس ہوگئی۔ آبی نے چونک کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ پھر سر اور کپڑوں کو درست کیا۔

"وہ سیڑھیوں پر پاؤں پھسل گیا اندھیرے میں۔"

اس نے جلدی میں بات بنائی اور واش روم میں بند ہوگئی۔

شیشے میں اپنے عکس پر نظر پڑتے ہی اسے اپنی دگرگوں حالت کا اندازہ ہوگیا۔ نل کھول کر بے تحاشا روتے ہوئے اس نے خود کو ہر چند سمجھانا چاہا مگر اب اس کا دل کسی طرح اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ وہ سجاول کو کیا دوش دیتی۔ وہ اس کا شوہر تھا۔ اس کا کوئی جذبہ بے جا نہ تھا۔ ہر پیش رفت حلال تھی۔ کپڑے بدل کر چہرہ کئی بار دھونے کے بعد رونے کے اثرات کچھ کم ہوئے تو وہ باہر نکل آئی۔

"ادی! سب خیریت ہے۔ کب سے آپ کو آوازیں دے رہی تھی۔ آپ کی چائے دوبارہ گرم کر کے لائی ہوں۔ آپ پی لو۔ مجھے تو نیند آرہی ہے۔" دھانی فکرمندی سے کہنے لگی۔

"تم لائٹ بند کر کے سو جاؤ۔ میں پی لوں گی چائے۔" اس نے بھاری آواز میں کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ کمرے میں اندھیرا پھیلتے ہی اسے کئی احساس جرم ستانے لگے۔

مہک کی بات مان کر گاڑی میں بیٹھنا میری غلطی تھی۔ ابا میری وجہ سے دربدر ہوئے سجاول میری وجہ سے نکاح پر مجبور ہوا۔ میری خاطر وہ اپنے کزن سے لڑا۔ اپنے ماں باپ سے جھوٹ بولا۔ اور اس وقت اس کے پاس جانا بھی میری ہی غلطی تھی۔

"یا اللہ، اس شخص کی محبت تو نے ہی میرے دل میں ڈالی ہے جسے تو نے میرا محرم چنا۔ اب مجھے ہمت

دے کہ میں اپنے باپ کی نظروں میں بھی سرخ رو ہوجاؤں اور اپنے شوہر کا دل بھی نہ دکھاؤں۔ آمین۔"

وہ پھر رونے لگی تھی۔ آج کی رات آبدار کے لیے بہت بھاری تھی۔

☆☆☆

آج ولیمے کے دن سارا خاندان ان کے گھر جمع تھا۔ مینا شرمائی گھبرائی سی سب کے درمیان بیٹھی تھی۔ لڑکیاں اس کے کان میں کسی روایتی چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھیں۔ وہ بھی اسی ماحول کا حصہ تھی۔ انہی جیسی سادہ اور معصوم۔ سانول کی چہکاریں اور قہقہے آج سب سے بلند تھے۔ آبی ست اور گم صم تھی۔ یہی حال سجاول کا تھا۔ دونوں دانستہ ایک دوسرے سے چھپتے پھر رہے تھے۔

عمر بخت آج پھر آیا تھا اپنی ماں کے ساتھ۔ اس کی چال میں آج ایک عجب غرور تھا۔ وہ بہت کینہ پرور انسان تھا۔ سجاول سے یوں بھی اسے ایک خاص پرخاش تھی کیونکہ وہ اس سے پہلے شہر گیا تھا اور اس سے زیادہ پڑھ لکھ بھی گیا تھا۔ دوران تعلیم ایک اچھا روزگار بھی اس کے پاس تھا اور گاؤں اور خاندان بھر میں اس کی سادگی اور خلوص کی مثالیں دی جاتی تھیں کیونکہ وہ شہر جاکر بھی بدلا نہیں تھا جبکہ عمر کو شہر کی خوب ہی ہوا لگ چکی تھی اس میں اس کے اکلوتے ہونے اور ماں باپ کے بے جا لاڈ پیار کا بھی بہت ہاتھ تھا۔ سجاول کے مثبت رویے اور کم گوئی کے سبب اسے کبھی اپنا کینہ نکالنے کا موقع نہیں مل سکا تھا مگر اس بار آبدار کی موجودگی اور اس کے لیے حد سے زیادہ فکر مند سجاول نے اسے سارے بدلے نکالنے کے لیے میدان فراہم کردیا تھا۔ وہ آبدار سے رشتہ جوڑ کر سجاول کی جلن کا مزا لینا چاہتا تھا۔ دوسری صورت میں وہ ان دونوں کو بدنام بھی کرسکتا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہو ادی؟" اماں سائیں حیرانی اور تعجب سے عمر کی اماں کی شکل دیکھنے لگیں جو ان کی خالہ زاد بھی تھیں۔

"اس میں حیرانی کی کیا بات ہے مٹھل؟ عمر کو وہ لڑکی پسند آئی ہے۔ بابا ہم اس کے باپ سے ہماری بات کرادو یا ہم کو پتا دو ہم خود وہاں جائیں گے۔" انہوں نے ازلی مغرور انداز میں کہا۔

اماں سائیں کا دل بجھ گیا تھا۔ وہ آبی کو اس گھر میں ہمیشہ رکھنے کے خواب دیکھنے لگی تھیں۔ ایسے میں یہ رشتہ انہیں پریشان کرگیا تھا مگر ظاہر ہے رشتہ داری پہلے مقدم تھی۔

"بجی! بات سن ذرا۔" انہوں نے سامنے لڑکوں کے جھنڈ میں بیٹھے سجاول کو ہانک لگائی۔ وہ سب ساتھ ساتھ ہی بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ گھر کی ہی بات تھی۔

"حاضر اماں سائیں!" سجاول اٹھ کر قریب آگیا۔

عمر دانستہ آکر وہاں کھڑا ہوگیا تھا تاکہ سجاول کے تاثرات جانچ سکے۔

"اپنی مامی کو آبی کے ابا کا نمبر دے دے۔"

اماں کا انداز بجھا بجھا سا تھا۔

"وجہ؟" سجاول نے تیوریاں چڑھا کر انہیں گھورا۔

"عمر کے لیے آبی کا ہاتھ مانگنا چاہتی ہیں۔" اماں سائیں نے پاس بیٹھی مامی کی طرف اشارہ کیا۔

سجاول نے بے یقینی سے پہلے مامی پھر عمر کو دیکھا۔ عمر کے چہرے پر فتح چھلکی۔ مگر سجاول کا دماغ الٹ چکا تھا۔

"آپ نے کس سے پوچھ کر یہ جرأت کی؟" وہ براہ راست مامی سے مخاطب ہوا۔ آنکھیں خون چھلکا رہی تھیں۔

اس طرز تخاطب پر جہاں مامی کی آنکھیں کھلیں وہیں اردگرد باتیں کرتے لوگوں میں سناٹا پھیل گیا۔

"بجی! یہ کیسے بات کررہا ہے تو؟" اماں سائیں نے اس کا بازو جکڑا۔

"اس سے زیادہ بری طرح بات کرنی چاہیے مجھے۔ بولیں کس نے حق دیا آپ کو کہ آبی کا نام بھی

اپنی زبان پر لائیں۔" سجاول بپھر گیا تھا۔

"سجاول بخت! ہوش میں رہو۔ میری اماں سائیں کے ساتھ یہ لہجہ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔" عمر نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

آبی ایک طرف چور بنی کھڑی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا بات کیا ہوئی تھی بس اپنے نام کی پکار پر اس کا دل لرز گیا تھا۔ لڑکیاں آپس میں منہ چھپائے کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ دیگر رشتہ دار عورتیں بھی سجاول کی ایک انجان لڑکی کے لیے اس درجہ بدتمیزی پر تبادلہ خیال کرنے لگیں۔

عمر کے ہاتھ میں اپنا گریبان دیکھ کر سجاول ضبط کھو بیٹھا۔ ایک زوردار مکا اس کے جبڑے پر رسید کر کے اسے خود سے دور کیا۔

"تو بے غیرت انسان! تجھے میں نے پہلے بھی سمجھایا تھا کہ اس سے دور رہنا مگر تیری سمجھ میں عزت کی زبان نہیں آ رہی تھی۔ آج تو قتل ہوگا میرے ہاتھوں سے۔" سجاول پر خون سوار ہو رہا تھا۔

"بجی! چھوڑ اسے پاگل ہو گیا ہے تو۔ کیوں اتنا غصہ کر رہا ہے۔" سانول اور اماں سائیں اسے قابو کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

"نہیں اماں سائیں! چھوڑیں مجھے اس کی ہمت کیسے ہوئی آبدار پر میلی نگاہ ڈالنے کی۔ میں مار ڈالوں گا اسے۔" وہ پھر ان کی گرفت سے نکلا۔ عمر اتنی دیر میں سنبھل چکا تھا۔

"میں نے کوئی میلی نگاہ نہیں ڈالی۔ سیدھے سبھاؤ شادی کا پیغام دیا ہے۔ تیری طرح چھتوں پر تنہائی کا فائدہ نہیں اٹھایا۔"

اس کی اس بیہودہ گوئی پر کئی لوگوں نے آبی کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ وہ شرم سے گڑ کر رہ گئی۔

"الزام لگاتا ہے کمینے، تیری بدفطرتی کے آگے لگام ڈالی تھی میں نے۔ تو نے مجھ پر ہی کیچڑ اچھال دیا۔"

سجاول پھر اس پر پل پڑا۔ سانول نے پیچھے سے اس کا گریبان پکڑا۔

"بجی! کیا ہو گیا تجھے ہوش کر۔"

اماں سائیں اور سانول کو اس کی اس درجہ وحشت کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک رشتہ دینے پر اتنا غصہ!

"اس کی ہمت کیسے ہوئی آبدار کے لیے رشتہ دینے کی!"

وہ سانول پر الٹ گیا۔ سرخ آنکھیں جنونی انداز۔ سانول کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"تجھے اتنی آگ کیوں لگ رہی ہے یہ بتا؟ تیری کیا لگتی ہے یہ جو تیری غیرت جاگ اٹھی۔ بول!"

عمر نے ہاتھ نچا نچا کر اسے للکارا۔

"ہاں جاگی ہے میری غیرت! بیوی ہے وہ میری!"

وہ سینہ ٹھونکتے ہوئے بری طرح چیخا۔

"ہاااں۔"

اس انکشاف پر ایک سنسنی سی مجمعے میں پھیلی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اماں سائیں کی گرفت اس کے بازو پر کمزور پڑی پھر وہ ایک طرف ڈھے گئیں۔ سانول سن کھڑا رہ گیا۔ آبی کے گرد موجود لوگ اس سے نامحسوس انداز میں دور ہٹے۔ وہ بے یقین سی سجاول کو دیکھتی رہ گئی۔ آنسو کب اس کی آنکھوں سے بہنے لگے اسے پتا بھی نہیں چلا۔

سجاول نے اپنے کہے لفظوں کی بازگشت میں اسے اس مجمعے میں تلاشا اور قریب آ کر اس کا ہاتھ تھام کر وہاں سے لے گیا۔ وہ بے جان وجود کی طرح اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔ دھائی کو یہ سب خواب لگ رہا تھا۔ وہ بھاگ کر اماں سائیں سے لپٹ گئی۔ مامی جو پہلے ہی سجاول کی بدتمیزی اور انکشافات پر انگشت بدنداں تھیں۔ اس کے منظر سے ہٹتے ہی اماں سائیں پر برس پڑیں۔

"ایسا بھی کیا اندھا ہونا کہ لڑکا تمہاری ناک کے نیچے بیوی لیے بیٹھا ہے اور تم بے وقوف بنی خاطر

داریاں کر رہی ہو۔"

عمر بخت کو دلچسپی صرف سجاول کی بے عزتی سے تھی سو وہ ہو گئی تھی۔ وہ اپنا جبڑا سہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ مردوں کی بیٹھک میں کسی نے خبر کر دی تھی۔ بابا سائیں بھاگے بھاگے آئے تھے مگر یہاں اماں سائیں کو حواس باختہ سب کے سوالوں کے جوابات دیتے دیکھ کر انہیں شدید سبکی کا احساس ہوا تھا۔ سجاول سے بعد میں نمٹنے کا ارادہ کرتے ہوئے انہوں نے آواز لگائی۔

"دیکھو بابا! ہم خود انجان ہیں ہر بات سے۔ یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے ہمیں حل کرنے دو۔ آپ سب جاؤ۔ ادی، بجی کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں۔"

انہوں نے مامی کے آگے معذرتی انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے سب کو چلتا کیا۔ لوگوں کی زبانیں بند نہیں ہوئی تھیں مگر بابا سائیں کے قطعیت بھرے انداز پر سب منہ بناتے چلے گئے تھے۔

"بجی کہاں ہے۔؟" گھر خالی ہوتے ہی بابا سائیں کی آواز گونجی تھی۔

☆☆☆

وہ اس کا ہاتھ تھامے بے سمت چلا جا رہا تھا جب اچانک آبی رکی تھی۔ وہ دونوں عقبی برآمدے میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ سجاول اس کے رکنے سے ہوش میں آیا۔ پلٹ کر اس ہاری ہوئی لڑکی کو دیکھا تو دل پھر بغاوت سے بھر گیا۔ کھینچ کر اسے خود میں بھینچا تو خود اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ آبی کے رونے میں اور شدت آ گئی۔ سجاول کو اپنے گرد اس کے نرم ہاتھوں کی گرفت محسوس ہوئی تو دل کو قرار سا آ گیا۔ دھیرے دھیرے اس کا سر سہلاتے ہوئے وہ اردگرد سے بالکل بیگانہ ہو چکا تھا جب بابا سائیں کی آواز سارے گھر میں گونجی۔

"سجاول بخت!!"

ایک طلسم ٹوٹا۔ آبی نے سہم کر اس کے حصار سے سر اٹھایا۔

"گھبرائیں نہیں۔ کچھ نہیں ہوگا۔ میں ہوں آپ کے ساتھ۔" اپنے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس نے مضبوط لہجے میں یقین دلایا پھر واپس اندر قدم موڑ لیے۔

آبی اس کی پشت کو تکتی ہوئی وہیں بیٹھ گئی تھی۔ یہ کیا ہوا تھا لمحوں میں۔؟ وہ جو ہر بار اس کی آمد پر خود کو خول میں بند کر لیتا تھا، آج یوں عیاں ہوا تھا کہ آبی کو سنبھلنے کا موقع تک نہیں ملا تھا۔ اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ کچھ لمحوں پہلے وہ سجاول ہی تھا جو ساری دنیا سے اس کی خاطر لڑ رہا تھا۔ جس نے بھرے مجمعے میں اسے اپنی بیوی تسلیم کر لیا تھا۔ بنا کچھ کہے سنے اس نے کیسے اسے اپنے حصار میں سمیٹ لیا تھا جیسے وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے دل کے حال سے واقف ہوں۔ جیسے وہ دونوں ہی کسی اظہار کے طلب گار نہیں۔ آبی کبھی ہنستی کبھی روتی۔

"ادی۔" دھانی، کب وہاں آ کھڑی ہوئی تھی اسے خبر نہ ہو سکی۔ آبی نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ گھبرائی ہوئی سی وہیں کھڑی تھی۔

"ادی! کیا سچ میں آپ ادا سجاول کی دلہن ہو؟"

آبی کو بہت شرمندگی ہوئی اس کے سوال سے۔

"یہ سچ ہے دھانی مگر ویسے نہیں جیسے تم سمجھ رہی ہو۔ اپنے ادا کی بات سنو۔ وہ سب بتائیں گے کہ سچ کیا ہے۔" اس نے بہت مشکل سے جھکے سر کے ساتھ بات مکمل کی۔ ان بھلے لوگوں کا سامنا اس حقیقت کے ساتھ کرنا اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔ ان کے خلوص اور محبت کا یہ صلہ نہیں تھا۔

"ادی! سچ جو بھی ہو مگر مجھے تو بہت خوشی ہوگی کہ آپ اب ہمیشہ یہیں رہو گی۔ میرے ساتھ۔"

دھانی دبی آواز میں اس کے پاس بیٹھ کر بولی تھی۔ اس کے چہرے پر دبی دبی خوشی تھی۔ آبی کو اس پر خلوص لڑکی پر ٹوٹ کر پیار آیا اور اس نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

☆☆☆

"تو نے مجھے دھوکا دیا بجی۔ آخر لگ گئی نا تجھے بھی شہر کی ہوا؟"

بابا سائیں! ایک طرف بیٹھے کہہ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر دکھ تھا۔ اماں سائیں بھی شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سانول سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سجاول ان کے سامنے مجرم بنا کھڑا تھا۔

"بابا سائیں میری جان آپ پر قربان۔ یہ سب ایسا نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ میری پوری بات سنیں۔ آبدار میری کاغذی منکوحہ ہے اور یہ نکاح معطلہ کیا گیا تھا کچھ وقت کے لیے اس لیے میں نے آپ سب کو لاعلم رکھا کیونکہ۔" وہ روانی سے بولتا جا رہا تھا جب بابا سائیں اپنی جگہ سے اٹھے۔

"یہ کچھ وقت کا نکاح کیا ہوتا ہے بابا؟"

سجاول کی زبان کو بریک لگا۔

"مطلب۔ میں آپ کو سب بتاتا ہوں۔"

اس نے الجھ کر پھر گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا اور کسی نے اسے نہیں ٹوکا۔

"اس طرح جب آبی میری غلطی کی وجہ سے سارا دن گھر نہیں پہنچی تو لوگوں نے اس کے ابا کا جینا محال کر دیا۔ مہک کے ابو انہیں پولیس کچہری کی دھمکیاں دے کر چلے گئے۔ اس رات ہم جب تک آبی کو چھوڑنے اس کے گھر گئے تب تک بدنامی وہاں ڈیرے جما چکی تھی۔ اوپر سے مہک کے ابو کا خوف۔ آبی کے ابا نے صرف اس کی حفاظت کے لیے اسے میرے ساتھ روانہ کیا اس بنیاد پر کہ جب سب ٹھیک ہو جائے گا وہ اسے واپس بلوا لیں گے۔ ہم آگے کسی مصیبت میں نہ پھنسیں اس لیے انہوں نے یہ نکاح کیا مگر یہ نکاح کاغذی رہے گا اس بات کا انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا اور میں آپ کا بیٹا ہوں بابا سائیں۔ امانتوں میں خیانت کرنا مجھے نہیں سکھایا گیا۔"

اس کا مضبوط انداز بیاں اور روانی سے چلتی زبان اسے سچا ثابت کر رہی تھی۔ اماں سائیں تو آبی کے ساتھ ہوئی زیادتی پر باقاعدہ تڑپ اٹھی تھیں۔

"تو پھر وہ کیا تھا بابا، جو آج تم نے سب کے سامنے کیا؟" بابا سائیں نے تیوری چڑھا کر اگلی چارج شیٹ پیش کی۔ سجاول کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"اس بے غیرت انسان نے آبی پر گندی نظر ڈالی۔ میں نے دو دفعہ اسے سمجھا کر معاف کیا مگر آج اس نے حد کر دی تھی۔"

"اگر وہ تمہاری کاغذی منکوحہ ہے اور کچھ وقت بعد تم اسے چھوڑ دو گے تو اس کے لیے کوئی راستہ تو کھلا رکھو بابا۔ عمر بخت اگر اس سے شادی کر لے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔" وہ صاف صاف اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ رہے تھے۔

سجاول کے اندر اشتعال کی لہریں اٹھنے لگیں۔

"بابا سائیں ابھی تو وہ میرے نکاح میں ہے نا اور....." اس کی آواز پست ہو گئی تھی۔

"اور یہ بابا، کہ اس نام نہاد کاغذی نکاح کا بڑے دھڑلے سے تم نے سارے خاندان کے سامنے اعلان کر دیا ہے۔ تم ہم کو پاگل سمجھتے ہو سجاول بخت!"

بابا سائیں اس کی بات کاٹ کر چیخ کر بولے تھے۔ سجاول چپ کا چپ رہ گیا۔ سانول بہت دیر سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"کب تک جائے گی یہ واپس؟" تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولے تھے۔

"اس کے ابا نے شہر بدل لیا ہے۔ بس شاید یہی کچھ دن میں وہ آ جائیں گے۔" اس کا ڈوبتا لہجہ اس کمرے میں موجود ہر نفس نے محسوس کیا تھا۔

"پھر وہ چلی جائے گی؟" اماں سائیں پہلی بار بولی تھیں۔

سجاول نے سرخ آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اماں سائیں کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"اس کا فیصلہ وہی کرے گا جو غیرت مند ہوگا۔"

"بابا سائیں!" اس تازیانے پر سجاول کے لب پھڑپھڑائے۔ مگر بابا سائیں ان سنی کر کے کھڑے ہوئے اور اپنی اجرک جھاڑتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سجاول نظریں جھکائے کھڑا رہ گیا۔

"میں تو کب سے اسے تیرے لیے مانگنے کا سوچنے لگی تھی بچی۔ یہ کیسا سودا کرلیا تو نے؟"

اماں سائیں آنسو پونچھتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

"تو اسے نہیں چھوڑنا چاہتا تو مت جانے دے۔ بیوی ہے تیری۔ کون روک سکتا ہے۔" سانول اٹھ کر اس کے قریب آگیا تھا۔ بھائی کے چہرے پر پھیلتا کرب اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔

"میں نے اس کے ابا کو یقین دلایا تھا سانول کہ....."

وہ بمشکل کہہ رہا تھا جب سانول نے اس کی بات کاٹی۔

"تو نے سب سے پہلے اللہ کو یقین دلایا تھا کہ تو اسے اپنی زوجیت میں قبول کرتا ہے۔ وہ تیری غیرت ہے بچی۔ کیا طلاق دے دے گا اسے؟" سانول کا اپنا انداز تھا۔ سجاول نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"اچھی طرح سوچ لے۔ ہم اپنی غیرت نہیں چھوڑتے۔" وہ کہہ کر چلا گیا اور سجاول خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

"بچی! تو نے ٹاپ کیا ہے۔"

احمد کا فون اور یہ خبر ان ٹینشن بھرے دنوں میں ایک جھونکا بہار تھی۔ سجاول کے لب مسکرائے۔

"اور سنا کیسے کیسی چل رہی ہے تیری اچانک ہو جانے والی شادی؟" احمد فل موڈ میں تھا۔ سجاول کی مسکراہٹ سمٹی۔

"اس کے ابا آرہے ہیں کچھ دنوں میں۔" سجاول نے ساری بات بتا کر بم پھوڑا۔

"نہیں کر یار، میں نے تو تجھے ہیپی اینڈنگ کی دعائیں دے کر رخصت کیا تھا۔" احمد چونکا۔

"مجھے چھوڑ یہ بتا شجاع کی کوئی خیر خبر۔؟" سجاول نے موضوع بدلا۔

"ہاں حمزہ کا فون آیا تھا کہ شجاع نے اس سے رابطہ کیا تھا۔ پیسے مانگ رہا تھا۔" احمد بتانے لگا۔

"پیسے کیوں؟ شجاع کو کیا ضرورت ہے مانگنے کی؟" سجاول حیران ہوا۔

"بیٹا! وہ دن گئے۔ جب ابا پیسے بھیجتے تھے اور شجاع صاحب عیاشی کرتے تھے۔ مہک بھی اسی پیسے پر ریجھ گئی تھی۔ ابھی تک چھپتا پھر رہا ہے۔ گھر جانے کی ہمت نہیں اس کی۔ جمع پونجی ختم ہو چکی۔ جاب لیس ہے۔ محبوبہ بیوی بن چکی۔ وہی روایتی کہانی۔" احمد نے حرے لے کر قصہ سنایا۔

"یہ تو برا ہوا۔" سجاول بس یہی کہہ سکا۔

"برا نہیں اچھا ہوا۔ سمجھایا تھا اس عاشق کی اولاد کو کہ یہ رسک مت لے۔ مگر نہیں جی بھاگ کر ہیرو بننا تھا۔ اب بھگتو اور تیرے ساتھ جو زیادتی اس کی وجہ سے ہوئی اس کی یہی سزا ہونی چاہیے تھی۔" احمد جوش میں کہہ گیا۔

سجاول کی سوچوں کا دھارا پھر آبی کی سمت مڑا۔ وہ زیادتی نہیں تھی۔ نصیب میں لکھا حلال و طیب رزق تھی اس کا۔

"مہک کا رابطہ ہے اپنی بہن سے۔ سنا ہے اس کی بہن کی شادی ہو گئی ہے علی سے۔"

اس کی خاموشی پر احمد پھر بولا تھا۔

"یہ واقعی زیادتی ہے۔" سجاول کے لب ہلے۔

"اب کیا پلان ہے شجاع کا؟ کیا ایسے ہی چھپتا رہے گا؟"

"اتنا خوددار نہیں ہے۔ ایک مہینے کی شادی نے دن میں تارے دکھا دیے ہیں اس کو۔ حمزہ کہہ رہا تھا چلا جائے گا کچھ دن میں گھر۔ مہک کے ساتھ جھگڑے ہونے لگے ہیں اس کے۔ ظاہر ہے بے

گھری۔ معاشی پریشانی انسان کو چڑچڑا کر دیتی ہے۔" احمد کو افسوس ہونے لگا۔ سجاول ہنسا۔

"ابھی تو تو کوس رہا تھا اسے۔ اب کیا ہمدردی جاگ گئی!"

"ابے، یار ہے اپنا۔ دکھ تو ہوگا۔ مگر سبق بھی سیکھ لیا۔"

"کیا سبق سیکھ لیا؟"

"یہی۔ پہلے نوکری پھر چھوکری!" اپنی بات کہہ کر احمد خود ہی قہقہہ مار کر ہنسا۔ سجاول نے اسے گالی سے نوازا۔

"چل اب سیریس ہوجا۔ واپس کب آئے گا؟"

اس نے پھر سجاول سے پوچھا۔

"ہاں آتا ہوں کچھ دن میں۔"

اس کا انداز ست تھا جیسے وہ خود بے یقین ہو۔

"تو نے میری نوکری کی درخواست دے دی تھی سر کو؟"

سجاول نے خیال آنے پر پوچھا۔

"ہاں ہاں جب ہی دے دی تھی۔"

کچھ لمحے خاموشی سے سرکے۔

"بجی۔؟"

"ہمم۔" احمد کی پکار پر وہ چونکا۔

"بھابھی اچھی ہیں۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔" اس نے کہہ کر لائن کاٹ دی۔ سجاول حیران سا فون کو تکتا رہ گیا۔

☆☆☆

"سائیں! ہم کو پہلے یہ سمجھاؤ کہ یہ کچھ وقت کا نکاح کیا ہوتا ہے؟ ہم کو تو یہ گالی جیسا لگ رہا ہے۔"

ابا آئے بیٹھے تھے اور بابا سائیں کے سوالوں کی زد میں تھے جو سارا لحاظ بالائے طاق رکھے ان پر حملے کر رہے تھے۔ سجاول کے بلاوے پر ابا اگلے ہی دن دوپہر تک گاؤں پہنچ گئے تھے۔ یہاں کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر وہ کافی متاثر ہوئے اور آبی کو دیکھ کر تو جیسے وہ جی اٹھے۔ وہ کتنی بدل گئی تھی۔ اس کی صحت بہت اچھی ہوگئی تھی۔ دھانی اور مینا کے ساتھ گھر کے کام کرتی ہوئی وہ اسی ماحول کا حصہ لگ رہی تھی۔ ابا نے اس کے اچانک ہوجانے والے نکاح کو اپنے تئیں قبول کرلیا تھا۔ بھلا اس سے بہتر وہ اس کے لیے کہاں سے ڈھونڈتے مگر اب یہ سجاول کے بابا سائیں۔! ابا نے گہری سانس بھری۔

"آپ کو پتا ہے جب آبی سہ پہر تک گھر نہیں پہنچی تو میرے ایک محلے دار نے کہا کہ کیا وہ پہلے بھی اس طرح غائب ہوتی رہی ہے؟" وہ میری بچی کے وجود پر پڑنے والا بدکرداری کا پہلا کوڑا تھا۔ پھر ایک صاحب بولے "اسی لیے میں لڑکیوں کے اکیلے آنے جانے کے خلاف ہوں۔" ایک عورت اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی دوسری عورت سے کہہ رہی تھی کہ جوان لڑکی تھی کوئی چھوٹی بچی نہیں جسے کوئی ٹافی دے کر بہلا لے گیا۔" پھر کسی نے مجھے روک کر رازداری سے پوچھا۔ "گھر سے کوئی سامان تو غائب نہیں؟"

ابا کی نظریں غیر مرئی نکتے پر مرکوز تھیں اور وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں بولتے جا رہے تھے۔ چہرہ شکستہ تھا۔ آواز بھرانے لگی تھی۔ آبی ایک طرف بیٹھی بے آواز رونے لگی تھی۔ سجاول اسے بے بسی سے دیکھتا اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ وہ بھی ذمہ دار تھا اس تکلیف کا۔

"شام ڈھلے میں مایوس ہوکر شہر کے سب اسپتالوں میں معلوم کرنے نکل پڑا اور دل نے واقعی ایک پل کو خواہش کی کہ اللہ کرے یہ مرگئی ہو تاکہ عزت کے کفن میں اسے لپیٹ کر دفنا تو سکوں مگر ایسا بھی نہیں ہوا۔ واپسی پر میں اپنے مرنے کی دعائیں مانگتا ہوا گھر لوٹا تو کچھ اور 'ہمدرد' مل گئے جنہوں نے مخلصی سے مشورہ دیا کہ سیدھے پولیس میں رپورٹ کردیں۔ وہ خود ہی ڈھونڈ لے گی جہاں بھی گئی ہوگی۔ یعنی یہ طے تھا کہ میری بیٹی خود بھاگی تھی۔ نہ اس پر کوئی مصیبت آسکتی تھی نہ کوئی

اسے اغوا کر سکتا تھا۔ میں مر کر بھی یہ یقین نہ کرتا کہ میری آبی بد کردار تھی مگر میں لوگوں کے گندے ذہنوں سے نہیں لڑ سکتا تھا۔"

بابا سائیں نے ان کے ہر لفظ سے معاشرے کی حقیقت کا اندازہ لگایا۔ وہ بھی ایک بیٹی کے باپ تھے۔

"اور پھر رات گئے آبی لوٹ آئی دو لڑکوں کے ساتھ۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر اس لمحے کوئی یہ منظر دیکھ لیتا تو کیسی کیسی غلیظ باتیں کرتا اس کے بارے میں؟ میں باپ تھا۔ لمحوں میں بھانپ گیا تھا کہ میری بیٹی پاک تھی اور اس کے ساتھ آئے وہ دونوں لڑکے شریف تھے۔ میری بیٹی کی ان پر اٹھنے والی نظروں میں اعتماد ٹھہراؤ تھا۔ خوف نہیں تھا۔ پھر جب پتا چلا کہ یہ سب انہی لوگوں کی غلطی کی وجہ سے ہوا تو میرا غصہ لازمی تھا اور فطری بھی۔ میں سارا دن بھگت چکا تھا کہ لوگوں کی نظر میں میری بیٹی کی اوقات اب کیا ہے اور اب اس کا یہاں رہنا کتنا مشکل ہوگا۔ سجاول کے ساتھ اسے روانہ کرنے کا مقصد اسے شہر اور لوگوں کی نظروں سے دور بھیجنا تھا اور رہا عارضی نکاح کا سوال۔ تو وہ عارضی نکاح نہیں تھا سجاول پر میرا عارضی اعتماد تھا۔ میں چند گھنٹوں پہلے ملے ایک ایسے لڑکے کو جو میری بیٹی کی بدنامی میں برابر کا ذمہ دار تھا۔ ساری زندگی کے لیے خوشی خوشی اپنی بیٹی نہیں سونپ سکتا تھا۔ وہ آبی سے اور آبی اس سے بیزار تھی۔ ان دونوں کو وقت چاہیے تھا اور مجھے بھی۔ اس لیے اس نکاح کو عارضی کا نام دے کر در حقیقت میں نے ہم سب کو وقت کی مہلت دینی چاہی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ سجاول نے اپنے خاندانی ہونے کا ثبوت دیا اور اپنے قول کو نبھایا۔ آج میں برملا کہتا ہوں کہ مجھے اپنی بیٹی کے معاملے میں سجاول سے زیادہ کسی پر اعتماد نہیں لیکن میں اس کے اور آبی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں چاہتا لہٰذا اس رشتے کو تا عمر نبھانے یا نا نبھانے کا فیصلہ یہ دونوں خود کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ میں ان کے فیصلے کا منتظر ہوں اور آپ کے بھی۔"

ابا طویل بات کہہ کر خاموش ہوئے اور بابا سائیں کی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکائے سوچ میں گم تھے۔ سجاول اور آبدار نے البتہ ایک دوسرے کی طرف بے چین ہو کر دیکھا تھا۔

"بولو سجاول بخت!" بابا سائیں کی پکار پر وہ چونکا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں بابا سائیں؟" وہ ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔ چہرے پر شدید بے بسی تھی۔ اماں سائیں کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"جب یہ فیصلہ کیا تھا تب ہم سے نہیں پوچھا تھا تم نے تو اب بھی وہ کرو جو تمہیں بہتر لگے۔" انہوں نے رخ پھیر لیا۔

"دیکھیے اس معاملے میں آپ مجھے قصوروار کہیے۔ یہ راضی نہیں تھا۔ میں نے اسے مجبور کیا تھا۔" ابا فوراً آگے آئے۔

"یہ اس وقت بھی اچھی طرح جانتا تھا اپنی روایات اور آج بھی جانتا ہے اسے کیا کرنا ہے۔ مرد بنو سجاول بخت!" بابا سائیں نے اسے للکارا۔

سجاول نے گہرا سانس بھرا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سمجھ گیا تھا جو اس کا باپ اسے سمجھا رہا تھا۔ کونے میں بیٹھی آبدار کے قریب آیا اور اس کی ہتھیلی تھام کر اسے کھڑا کیا۔ وہ رونا بھول کر اس کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ سجاول اس کا ہاتھ تھام کر ابا کے روبرو لے آیا۔

"ایک امانت آپ نے میرے حوالے کی تھی اور میں نے اس کی حفاظت کی۔ آج ایک امانت میں آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ اس کا خیال رکھیے گا۔ میں جلد اپنی امانت آپ سے واپس لینے آؤں گا پوری عزت اور شان کے ساتھ۔"

ابا نہال ہو گئے۔ بے اختیار دل میں رب کے شکر گزار ہوئے۔ ان کے چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ بہت سکون آمیز تھی۔

"یہ کی نامردوں والی بات۔ سانول کی ماں، منہ میٹھا کرا۔"

بابا سائیں نے اٹھ کر اسے گلے لگایا۔ آبی کی آنکھ سے تشکر کے آنسو بہے اور ممنون نظر اس راز جیسے شخص کی نظروں سے جا ملی۔

☆☆☆

اس ٹھنڈی مہکتی رات میں وہ دونوں آج پھر اسی چھت پر ایک دوسرے کے روبرو کھڑے تھے۔ آج سجاول بخت اپنی آبدار کو پوری عزت کے ساتھ رخصت کروالایا تھا۔ وہ سرمئی سلور کام دار شرارے میں منوں بھاری زیورات اور میک اپ سے دو آتشہ ہوئی بالکل پہچانی نہیں جارہی تھی مگر اتنی حسین لگ رہی تھی کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی سجاول بخت کی زبان پر تالے پڑ گئے تھے۔ وہ اس دور تک پھیلی چاندنی میں نہائی اس اپسرا کو تکے جارہا تھا اور خاموش تھا۔ آبی کم از کم آج اس سے 'کچھ' سننے کی خواہش مند تھی۔

"کچھ بولیں؟" بالآخر اسے ہی بولنا پڑا۔

"کیا۔ کیا بولوں؟" سجاول چونکا۔

"تھوڑی تعریف ہی کردیں میری۔ کبھی جو آپ نے....." اس نے ناراض ہو کر نگاہ پھیری اور ادھوری بات کا مفہوم پورا کیا۔ سجاول اس ادا پر قربان ہوا اور ایک بھرپور مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"میں دیہاتی آدمی۔ آپ کی تعریف میں دیوان نہیں لکھ سکتا۔ میں اندر سے خوف زدہ ہوں آج بھی۔"

اس کے اعتراف نے آبی کو متوجہ کیا۔

"میں کبھی آپ کو نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے لمبے بال بہت خوب صورت ہیں۔ یا آپ کا گول دہانہ آپ کے چہرے کی سب سے خوب صورت چیز ہے یا آپ کی سیاہ آنکھوں میں ستارے قیام کرتے ہیں یا آپ کا قد اتنا لمبا ہے کہ جب آپ میرے قریب کھڑی ہوتی ہیں تو میری نظر سیدھی آپ کی مانگ پر رک جاتی ہے۔"

وہ کچھ نہ کہہ کر بھی سب کہہ رہا تھا۔ آبی مبہوت سی اس کی گہری تعریفیں سنتی گئی۔

"مگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہیں جسے میں نے نظر بھر کر دیکھا، سوچا، چاہا اور چھوا۔ جس کے بچھڑنے کا خوف مجھے راتوں کو جگائے رکھتا تھا۔ جس پر اٹھنے والی غیر کی نظر نے میرے اندر آگ لگادی تھی۔ جسے میں اب کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے ابا کو بھی نہیں۔"

وہ دو پل رک کر مسکرایا اور پھر آبی کے گرد اپنا حصار بنایا۔

"میں آپ سے نہیں کہوں گا کہ میں آپ کے لیے تارے توڑ لاؤں گا مگر میں یہ وعدہ ضرور کروں گا کہ جب تک جیوں گا آپ کا رہوں گا اور اپنی تمام تر ہمت آپ کو زندگی کی ہر خوشی دینے کے لیے صرف کردوں گا۔ آپ میری عزت ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔" اس نے جھک کر آبی کی پیشانی چومی۔

"بس یا اور کچھ؟؟"

اس نے گنگ کھڑی آبی کو چھیڑا۔ جو اتنے بھرپور اظہار اور اتنے مکمل بیان پر لاجواب سی ہوگئی تھی۔

"اور میں اتنے سچے انسان کو یقین دلاتی ہوں کہ میں سدا اس کی عزت محبت اور خوشیوں کا احترام کروں گی۔"

اس نے مطمئن ہو کر سجاول کے حصار میں خود کو چھپالیا تھا جو اس معصوم سی ادا پر کھلکھلا اٹھا اور اس بہت اپنی لڑکی کے گرد پورے حق سے اپنا حصار مضبوط کرلیا تھا۔

☆☆